هذا بلاغ للناس
دارالعلوم کراچی کا ترجمان

جلد ۲۰ — شوال المکرم ۱۴۰۶ھ / جون، جولائی ۱۹۸۶ء — شمارہ ۱۰

* نگراں:
حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

* مدیر:
محمد تقی عثمانی

* ناظم:
فاروق القاسمی ایم اے (عثمانیہ)

سالانہ بدل اشتراک: بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری

ریاست ہائے متحدہ امریکہ /۲۱۰ روپے ● برطانیہ۔ جنوبی افریقہ۔ ویسٹ انڈیز۔ برما۔ انڈیا۔ بنگلہ دیش۔ تھائی لینڈ۔ ہانگ کانگ
نائجیریا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ /۱۶۰ روپے ● سعودی عرب۔ عرب امارات۔ مسقط۔ بحرین۔ عراق۔ ایران۔ مصر۔ کویت / ۱۳۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴ فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷
پبلیشر: محمد تقی عثمانی۔ دارالعلوم کراچی ۱۴ پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس کراچی

ترتیب

ذکر و فکر

مصر اور الجزائر میں چند روز

(چوتھی قسط)

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

حضرت لیث بن سعدؒ کے مزار پر

مسجد امام شافعیؒ کے احاطے ہی میں امام شافعیؒ کے مزار سے ذرا ہٹ کر حضرت امام لیث بن سعدؒ کا مزار واقع ہے، حضرت لیث بن سعدؒ بھی اُونچے درجے کے ائمۂ مجتہدین میں سے ہیں، یہاں تک کہ ان کے بارے میں امام شافعی کا قول یہ ہے کہ:۔

اللیث أفقه من مالک، إلا أن اصحابه لم يقوموا به

لیث بن سعدؒ امام مالکؒ سے زیادہ بڑے فقیہ ہیں، البتہ انکے شاگردوں نے ان (کی فقہ کو محفوظ رکھنے) کا اہتمام نہیں کیا [۱]

روایتِ حدیث میں بھی امام تھے، اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ انکے کسی شاگرد نے ان سے کہا کہ "ہم بسا اوقات آپ کی زبان سے ایسی احادیث سُنتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں موجود نہیں ہیں" اس پر حضرت لیث بن سعدؒ نے فرمایا کہ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اپنے سینے کی تمام حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھلی ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ جتنی احادیث میرے سینے میں محفوظ ہیں، اگر میں وہ سب لکھنا چاہوں تو یہ سواری ان لکھی ہوئی کتابوں کے لیے کافی ہوگی [۲]"

اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ مال و دولت سے بھی نوازا تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کی آمدنی بیس ہزار سے پچیس ہزار دینار سالانہ تک تھی، لیکن فیاضی، سخاوت، اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا عالم یہ تھا کہ ساری عمر کبھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ بلکہ انکے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ سال کے آخر میں بعض اوقات مقروض ہو جاتے تھے [۳] قتیبہ فرماتے ہیں کہ وہ روزانہ تین سو مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے [۴]

---

[۱] تہذیب التہذیب ص ۴۶۰ ج ۸ [۲] تہذیب التہذیب ص ۴۶۲ ج ۸ [۳] ایضاً

[۴] سیر اعلام النبلاء للذہبی

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت لیث بن سعدؒ سے کچھ پھل خریدے خریدنے کے بعد انہیں اسکی قیمت گراں محسوس ہوئی اسلئے وہ واپس کرنے کے لیے آئے۔ حضرت لیث بن سعدؒ نے پھل واپس لے کر قیمت لوٹادی، پھر جب وہ جانے لگے تو اپنے آدمیوں سے کہا کہ انہیں پچاس دینار مزید دے دو، اُنکے صاحبزادے نے وجہ پوچھی تو فرمایا:۔

اَللّٰھُمَّ غُفْرًا، إِنَّھُمْ قَدْ كَانُوا أَمَّلُوا فِيهَا أَمَلًا،
فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعَوِّضَهُمْ مِنْ أَمَلِهِمْ بِهٰذَا۔

اللہ مجھے معاف فرمائے، ان لوگوں نے پھلوں کی خریداری میں ایک امید قائم کی تھی، (جو پوری نہیں ہوئی) اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انکی امید کے بدلے انہیں کوئی معاوضہ دوں۔

ایک مرتبہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا بیٹا بیمار ہے، اس کیلئے تھوڑا سا شہد درکار ہے، حضرت لیث بن سعدؒ نے اسے ایک مشک بھر کر شہد دلوادیا جس میں ۱۲۰ رطل (تقریباً ۶۰ سیر) شہد تھا، وہ عورت انکار کرتی رہی کہ مجھے تو تھوڑا سا شہد چاہیئے تھا، لیکن حضرت لیث بن سعدؒ نہ مانے، اور مشک اس کے گھر پہنچوادی۔

آپ کی قدر و منزلت عوام و خواص میں اتنی زیادہ تھی کہ حکامِ وقت بھی آپ کے سامنے جھکتے، اور آپ کے مشوروں پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصورؒ نے آپ کو مصر کی گورنری کی پیشکش کی، لیکن آپ نے عذر فرمادیا۔

آپ روزانہ چار مجلسیں منعقد فرماتے تھے، ایک مجلس امراء و حکام کے لیے ہوتی جس میں وہ لوگ آکر آپ سے امورِ سلطنت میں مشورے کرتے، دوسری مجلس حدیث کے طلباء کے لیے ہوتی، تیسری مجلس فتویٰ کیلئے ہوتی جس میں لوگ آکر آپ سے مسئلے پوچھتے، چوتھی مجلس عوام کی ضروریات میں انکی مدد کے لیے ہوتی، لوگ آکر اپنی حاجتیں بیان کرتے، اور آپ انہیں پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

حضرت لیث بن سعدؒ کی وفات ۱۵ رشعبان ۱۷۵ھ کو ہوئی، نمازِ جنازہ میں اس قدر ازدحام ہوا کہ خالد بن عبدالسلام کہتے ہیں "میں نے ایسا جنازہ کسی کا نہیں دیکھا"[1]۔

الحمد للہ! اس جلیل القدر محدث، فقیہ اور ولی اللہ کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جن کو بعض حضرات نے ابدال میں شمار کیا ہے۔

شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ کے مزار پر

حضرت امام شافعیؒ اور امام لیث بن سعدؒ کے مزارات کے آس پاس کا علاقہ "قرافہ" کہلاتا تھا، اور یہیں حضرت شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، یہ نویں صدی ہجری کے مشہور محدث فقیہ اور صوفی بزرگ تھے جنہیں اپنی صدی کا مجدد بھی کہا گیا ہے۔ یہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ابن ہمامؒ کے شاگرد ہیں، اور علامہ ابن حجر ہیتمیؒ اور شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ جیسے حضرات کے استاذ۔ اور ان شخصیتوں میں سے ہیں

[1] سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۰ ج ۸، اس سے قبل کے واقعات بھی اسی کتاب میں مذکور ہیں۔

جن پر اہلِ مصر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔

انہوں نے مصر میں انتہائی فقر و فاقہ کی حالت میں تعلیم حاصل کی، خود فرماتے ہیں کہ میں جامع ازہر میں علم حاصل کرتا تھا، بعض اوقات فاقے کی شدت کی بنا پر نوبت یہاں تک پہونچی کہ مجھے کھانے کو کچھ نہ مل سکا تو میں نے وضو خانے کے قریب پڑے ہوئے تربوز کے چھلکے اُٹھائے، اور انہیں اچھی طرح دُھویا۔ اور انہیں کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔ بعد میں ایک ولی اللہ نے جو ایک چکی پر کام کرتے تھے، میری دیکھ بھال شروع کر دی، وہ مجھے کھانے پینے کی ضروریات مہیا کر دیا کرتے تھے، اور اسی زمانے میں انہوں نے مجھے یہ بشارت بھی دی تھی کہ تم انشاء اللہ بہت دن زندہ رہوگے، اور شیخ الاسلام بنوگے، اور تمہارے شاگرد بھی تمہاری زندگی ہی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوں گے[1]۔

اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو واقعۃً بڑا عظیم مرتبہ عطا فرمایا، خدمتِ دین کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس میں شیخ الاسلامؒ کا حصہ نہ ہو، مال و دولت کا بھی یہ عالم ہوا کہ تین ہزار درہم یومیہ آمدنی ہوتی تھی۔ امام شافعیؒ کے مزار کے ساتھ جو مدرسہ تھا اس میں تدریس کا منصب اس دور میں علمی اعتبار سے سب سے بڑا منصب سمجھا جاتا تھا، شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ مدتِ دراز تک اسی منصب پر فائز رہے۔ اس زمانے میں مصر کا حکمران ملک اشرف قاتیبائے تھا، وہ آپ کا بہت معتقد تھا، اس نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا، آپ نے شروع میں انکار کر دیا، لیکن قاتیبائے نے اصرار کیا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اُس نے کہا کہ "اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے سامنے پیدل چل کر آپ کے خچر کو ہنکاتا ہوا آپ کے گھر تک لے جایا کروں"۔ بالآخر اس شدید اصرار کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرما لیا، اور عرصۂ دراز تک قضاء کی خدمت انجام دی۔

اس دوران بھی آپ قاتیبائے پر جلوت و خلوت میں تنقیدیں فرماتے، خطبۂ جمعہ میں اسکی موجودگی میں اس پر نکیر فرماتے، خود فرماتے ہیں کہ "بعض اوقات خطبے میں میری تنقید اتنی سخت ہو جاتی کہ مجھے خیال ہوتا کہ شاید اب قاتیبائے مجھ سے بات بھی نہیں کرے گا، لیکن نماز کے بعد سب سے پہلے وہ مجھ سے ملتا، میرے ہاتھ پر بوسہ دیتا، اور کہتا "جزاک اللہ خیرا"۔ ایک روز میں نے اُسے بہت سخت باتیں کہیں، یہاں تک کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس پر میں نے اس سے کہا:

والله یا مولانا! إنما أفعل ذلك معك شفقة علیك، وسوف تشكرني عند ربك، وإني والله لا أحب أن یكون جسمك هذا فحمة من فحم النار، [2]

جناب والا! خدا کی قسم میں آپ کے ساتھ یہ معاملہ آپ پر شفقت کی

---

[1] الکواکب السائرۃ، للغزی ص ۹۶ و ۱۹۷ ج ۱

[2] الطبقات الکبری للشعرانیؒ ص ۱۱۲ ج ۲

بنا پر کرتا ہوں، جب آپ اپنے پروردگار کے پاس پہنچیں گے
تو میرا شکر کریں گے، اس لیے کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بات پسند
نہیں کہ آپ کا یہ جسم جہنم کا کوئلہ بنے"[1]

آخر میں نابینا ہونے کی بنا پر آپ قضا کے منصب سے معزول ہوئے، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آخری زمانے میں بادشاہ آپ سے ناراض ہوگیا تھا، اس لیے معزول ہوئے۔ معزولی کے بعد وہ قضا کا منصب قبول کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، آپ کے شاگرد شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "قضاء کا منصب قبول کرنا میری غلطی تھی" اس لیے کہ میں پہلے لوگوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا تھا، اسکی وجہ سے لوگوں میں شہرت ہوگئی" اس پر میں نے عرض کیا کہ "حضرت! میں نے بعض اولیاء سے سُنا ہے کہ شیخؒ کے منصب قضاء نے انکے حالات پر پردہ ڈال دیا ہے، لوگوں میں انکے زھد و ورع اور مکاشفات کی شہرت ہونے لگی تھی اس پر شیخؒ نے فرمایا: "الحمد للہ! بیٹے! تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا"[1]

آپ نفلی صدقات کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ نہ جانے کتنے حاجت مند افراد کے روزینے مقرر تھے، لیکن صدقہ میں ہمیشہ اخفاء کا اہتمام فرماتے، اگر حاجت مند افراد میں سے کوئی ایسے وقت آجاتا جب اور لوگ بھی بیٹھے ہوتے تو اس سے فرما دیتے کہ "پھر آنا"، یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور یہ تھا کہ آپ صدقات کم دیتے ہیں[2]

حضرت شیخ الاسلامؒ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی آخر عمر میں نابینا بھی ہوگئے، لیکن آخر وقت تک درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اور ذکر و عبادت کا سلسلہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا، حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ انکی مدح میں فرماتے ہیں :۔

أحد أركان الطريقين، الفقه والتصوف، وقد خدمته عشرين
سنة، فما رأيته قط في غفلة، ولا اشتغال بما لا يعني،
لا ليلا ولا نهارا، وكان رضي الله عنه مع كبر سنه يصلي
سنن الفرائض قائما، ويقول: لا أعوّد نفسي الكسل[3]

وہ فقہ اور تصوف دونوں طریقوں کے ستون تھے، میں نے بیس سال
آپ کی خدمت کی اس پورے عرصے میں مَیں نے کبھی آپ کو غفلت
میں نہیں دیکھا نہ کسی فضول کام میں مشغول پایا، نہ دن میں نہ رات
میں، اور آپ بڑھاپے کے باوجود فرائض کی سنتیں ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا
کرتے، اور آپ فرماتے کہ میں اپنے نفس کو سستی کا عادی بنانا نہیں چاہتا۔

---

[1] الطبقات للشعرانیؒ ص ۱۱۲ ج ۲
[2] الکواکب السائرة ص ۲۰۲ ج ۱
[3] الطبقات الکبریٰ، للشعرانی ص ۱۱۱ ج ۲

کوئی شخص آپ کے پاس آکر لمبی بات کرتا تو فرماتے: "جلدی کرو، تم نے ایک زمانہ ضائع کردیا" اور علامہ شعرانیؒ ہی فرماتے ہیں کہ جب میں آپ سے کوئی کتاب پڑھتا تو بعض اوقات کتاب کا کوئی لفظ درست کرنے کے لیے بیچ میں ذرا سا وقفہ ہوجاتا، آپ اس وقفے کو بھی ضائع نہ فرماتے، اور اس وقفہ میں آہستہ آہستہ "اللہ، اللہ" کے ذکر میں مشغول ہوجاتے[1]۔

آپ نے مختلف علوم وفنون میں چالیس سے زائد عظیم الشان تالیفات چھوڑی ہیں، جن میں فقہِ شافعیؒ کی "اسنی مطالب" اور "شرح البہجہ" بہت مشہور ہوئیں، اور آج تک فقہِ شافعی کا مستند ماٰخذ شمار ہوتی ہیں حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصرین کی تعریف میں بہت محتاط بزرگ ہیں، لیکن آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

«بيننا ألفة زائدة، ومحبة من الجانبين تامة، ولا زالت المسرات واصلة إليّ من قبله بالدعاء والثناء وإن كان ذلك دأبه مع عموم الناس، فحظي منه أوفر[2]»

ہمارے درمیان جانبین سے بہت محبّت اور انس ہے، انکی طرف سے مجھے مسلسل دعاء اور تعریف کے کلمات سے مسرّت حاصل ہوتی رہتی ہے، اگرچہ ان کا سبھی لوگوں سے معاملہ ایسا ہی ہے۔ لیکن میرا حصہ انکے یہاں بہت زیادہ ہے۔

علامہ ابن العمادؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ تلامذہ اس قدر وسیع تھا کہ انکے عہد میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے آپ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلمذ کا شرف حاصل نہ کیا ہو، بلکہ آپ کی سند چونکہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عالی تھی، اس لیے لوگ کوشش کرکے آپ سے تلمذ حاصل کرتے تھے، بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے زبانی بلا واسطہ علم حاصل کیا، پھر ایسے لوگوں سے بھی علم حاصل کیا جن کے اور شیخ الاسلامؒ کے درمیان سات واسطے تھے، یہ خصوصیت کسی اور عالم کو حاصل نہیں ہوئی[3]۔

فسطاط کا علاقہ

امام شافعیؒ کے مزار کے پاس مصر کا بڑا عظیم الشان مدرسہ تھا جس میں بڑے جلیل القدر اہلِ علم

---

[1] الطبقات الکبری، للشعرانیؒ ص ۱۱۱ ج ۲

[2] الضوء اللامع، للسخاویؒ ص ۲۳۷ ج ۳

[3] شذرات الذہب، لابن العمادؒ ص ۱۳۵ ج ۸

پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، اب بھی یہاں درس اور ذکر کے کچھ حلقے ہوتے ہیں، لیکن باقاعدہ مدرسہ کی شکل باقی نہیں رہی، جب ہم مزارات سے فاتحہ پڑھکر فارغ ہوئے تو مسجد میں ذکر بالجہر کا ایک حلقہ ہو رہا تھا، لیکن اب یہ چیزیں رسوم کی حد تک باقی رہ گئی ہیں، اتباعِ سنت کا اہتمام جو ذکر وعبادت کی روح ہے، خال خال ہی کہیں نظر آتا ہے، فالی اللہ المشتکی۔

ڈاکٹر شافعی نے ۔ جو احقر کے رہنما تھے ۔ بتایا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار بھی واقع ہے، لیکن راستہ ایسا ہے کہ گاڑی وہاں نہیں جا سکتی، پیدل چلنے کیلئے بھی جگہ جگہ رکاوٹیں ہیں۔ اور اندھیرا بھی ہوگا۔ لیکن اتنے قریب آچکنے کے بعد ایک جلیل القدر صحابیؓ کے مزار پر حاضر نہ ہونا کفرانِ نعمت تھا، احقر نے وہاں حاضری کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے جامع شافعیؒ سے ایک صاحب کو بطور رہنما ساتھ لیا، اور انکی رہنمائی میں ہم چل پڑے۔ یہ پورا علاقہ آج کل کی تمدنی زبان میں "پسماندہ" علاقہ ہے، مکانات کچے پکے، راستے ٹوٹے پھوٹے، جگہ جگہ تنگ اور تاریک گلیاں۔ لیکن مجھے یہ علاقہ وسطِ شہر کے ترقی یافتہ علاقوں سے زیادہ محبوب معلوم ہوا، اول تو اس لیے کہ یہاں لوگوں میں وسطِ شہر کے مقابلے میں تدین کا زیادہ غلبہ نظر آیا، اور قدیم روایتی اخلاق کی ایک جھلک محسوس ہوئی، دوسرے اس لیے کہ ڈاکٹر شافعی نے بتایا کہ یہ قاہرہ کا قدیم ترین علاقہ ہے، اور فسطاط کا شہر اسی قرب وجوار میں واقع تھا۔

فسطاط کا نام آتے ہی قلب وذہن میں ماضی کے واقعات کی ایک فلم چلنے لگی کیونکہ یہ شہر صحابہ کرامؓ کا بسایا ہوا تھا۔

دراصل آج جس جگہ قاہرہ واقع ہے، تاریخ میں یہاں یکے بعد دیگرے تین عظیم الشان شہر آباد رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں موجودہ قاہرہ کا مغربی علاقہ فرعونوں کا پایۂ تخت تھا، لیکن اس وقت یہ شہر منف کہلاتا تھا، اور دریائے نیل کے مغربی ساحل کی طرف آباد تھا، اور یہ وہی جگہ ہے جو آج جیزہ کہلاتی ہے، اور جہاں اہرامِ مصر واقع ہیں، منف کا یہ شہر صدیوں آباد رہا، لیکن بخت نصر کے حملے میں یہ تاخت وتاراج ہو کر ویران ہو گیا۔

بعد میں سکندر مقدونی نے جب ملکِ مصر فتح کیا تو اپنا پایہ تخت اس علاقے کے بجائے بحر روم کے ساحلی علاقے کو بنایا، وہاں ایک نیا شہر بسایا جو آج تک سکندر ہی کے نام پر اسکندریہ کہلاتا ہے۔ اسکندریہ بھی صدیوں تک مصر کا پایۂ تخت رہا، اور جس وقت حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر پر حملہ کیا، اس وقت تک مقوقس کا دارالحکومت اسکندریہ ہی تھا[1] اور جس جگہ آج قاہرہ آباد ہے، وہاں کوئی بڑا شہر موجود نہ تھا، بلکہ ایک فوجی قلعہ تھا۔ جو حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اور انکے رفقاء نے مصر کے چند ابتدائی علاقے فتح کرنے کے بعد اس قلعے کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چھ مہینے جاری رہا، اس

---

[1] دیکھئے الخطط المقریزیۃ ص ۲۲۶ ج ۱

پورے عرصے میں قلعہ پر چڑھنے کا کوئی راستہ نہ نکلا، بالآخر چھ ماہ گذرنے کے بعد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قلعے کے ایک حصے میں پاؤں رکھنے کی کوئی گنجائش دیکھی تو قلعے کے اس حصے پر ایک سیڑھی نصب کر دی، اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

إني أهب نفسي لله عزّ وجلّ، فمن شاء أن يتبعني فليفعل

میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کو ہدیہ کرتا ہوں، جو میرے پیچھے آنا چاہے آجائے۔

یہ کہکر حضرت زبیرؓ نے سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا، آپ کے پیچھے اور بھی متعدد حضرات سیڑھی پر چڑھنے لگے، یہاں تک کہ سب سے پہلے حضرت زبیرؓ قلعے کی فصیل پر پہنچ گئے، دوسرے حضرات کو بھی حوصلہ ہوا، اور انہوں نے مزید سیڑھیاں لگا کر چڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، اور مقوقس نے بھاگ کر جزیرہ کے قلعے میں پناہ لی، جس کا واقعہ روضہ کے تعارف میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ علامہ حمویؒ نے لکھا ہے کہ یہ سیڑھی جو حضرت زبیرؓ نے قلعے پر چڑھنے کے لیے استعمال فرمائی تھی، ۳۰۹ھ تک سُوق وردان کے ایک گھر میں محفوظ تھی، پھر ایک آتشزدگی کی وجہ سے ضائع ہو گئی[1]۔

اس قلعے پر حملہ کرنے کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا خیمہ قلعے کے سامنے نصب فرمایا تھا، پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو اس خیمے کو اکھاڑ کر ساتھ لیجانا چاہا، لیکن جب اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے تو دیکھا کہ خیمے کے اوپر کی جانب ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں، اور ان پر بیٹھی ہے، خیمہ اکھاڑنے سے یہ انڈے ضائع ہو جاتے، اس لیے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ اس کبوتری نے ہمارے خیمے میں پناہ لی ہے، اس لیے خیمے کو اس وقت تک باقی رکھو، جب تک یہ بچے پیدا ہو کر اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں، چنانچہ خیمہ باقی رکھا گیا، اور حضرت عمرو بن عاصؓ چند افراد کو وہاں چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اسکندریہ کی فتح میں بھی چھ مہینے لگے، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ کو اپنا مستقر بنانے کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب فرمائی حضرت فاروق اعظمؓ نے جواب میں لکھا کہ "مسلمانوں کو ایسی جگہ اپنا مستقر نہ بناؤ، جہاں میرے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دریا یا سمندر حائل ہو" ظاہر ہے کہ اسکندریہ کو مستقر بنایا جاتا تو بیچ میں دریا حائل ہوتا، اس لیے حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنے رفقاء سے مشورہ کیا کہ "ہم کس جگہ کو اپنا مستقر بنائیں؟ اس پر بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ :-

نرجع ايها الأمير إلى فسطاطك، فنكون على ماء وصحراء

جناب امیر! ہمیں اسی جگہ جانا چاہیئے جہاں آپ کا خیمہ نصب ہے، وہاں پانی (دریائے نیل) ہمارے قریب بھی ہوگا، اور ہم صحرا میں بھی ہونگے۔

---

[1] معجم البلدان، للحمویؒ ص ۲۶۲ ج ۴، "فسطاط"

چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس مشورے کو قبول فرمالیا، اور اسی جگہ واپس تشریف لے آئے جہاں خیمہ نصب تھا، اور یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کیا، اس وقت تک شہر کا کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا، اس لیے لوگ چند روز تک پتہ بتانے کے لیے اسی فسطاط (خیمے) کا حوالہ دیتے رہے کہ "میری جگہ فسطاط کی دائیں جانب ہے"، کوئی کہتا کہ "میری جگہ فسطاط کے بائیں جانب ہے"، ہوتے ہوتے اس شہر کا نام ہی فسطاط مشہور ہو گیا۔ اور یہ مصر میں مسلمانوں کا پایۂ تخت قرار پایا[1]۔ اور صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بنا رہا۔ یہ شہر دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر آباد تھا۔

پھر ۳۵۸ھ میں اخشیدیوں کے دورِ حکومت میں فاطمی بادشاہ معزلدین اللہ نے اپنے ایک غلام جوہر کے ذریعہ فسطاط پر حملہ کیا اور اُسے اپنے زیرِ نگیں لے آیا، فسطاط کے باشندوں نے اس شرط پر اس کے ساتھ صلح کی کہ وہ انکے ساتھ شہر فسطاط میں نہیں رہے گا۔ چنانچہ جوھر نے اس شرط کی پابندی کرتے ہوئے فسطاط سے باہر نکل کر قیام کیا، اور وہاں ایک قلعہ بنایا، اور اس قلعہ کا نام "القاھرۃ"، رکھا، یہ قلعہ فاطمیوں کے دور میں سرکاری دفاتر اور امراء کی قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، لیکن عام سکونتی شہر فسطاط ہی تھا، لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی حکومت آئی تو انہوں نے "قلعہ القاھرۃ"، کو عام سکونت کے لیے کھول دیا، اور خود "قلعہ الجبل"، میں رہنے لگے جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے، اس وقت سے قاہرہ باقاعدہ سکونتی شہر بن گیا[2]۔ یہ شہر فسطاط کے شمال مغرب میں دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر آباد تھا، یہاں تک کہ پانچویں صدی ہجری میں فسطاط کا شہر آتش زدگی وغیرہ کی بناء پر تباہ ہو گیا، اور صرف قاہرہ باقی رہ گیا جو اب تک چلا آتا ہے، اور اب اس نے وسعت اختیار کر کے نہ صرف فسطاط کے علاقے، بلکہ جزیرہ، جیزہ اور فرعون کے دور کے منف کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

بہرکیف! حضرت امام شافعیؒ کے مزار سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار تک جانے کے لیے بیشتر اسی علاقے سے گذرنا ہوا جہاں کبھی فسطاط آباد تھا، یہاں قدامت کے آثار قدم قدم پر نمایاں ہیں بہت سے پرانے گھر ویران پڑے ہیں، جگہ جگہ احاطے ہیں جن میں قبرستان بنے ہوئے ہیں، نہ جانے یہ علاقہ کتنے علماء، فقہاء، محدثین، کیسے کیسے اولیاء اللہ اور مجاہدین کا مرکز رہا ہوگا، میں ان ٹوٹے پھوٹے راستوں پر چلتا رہا، اور چشمِ تصور یہاں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ رہنما نے ایک چھوٹی سی مسجد کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیا جس کے آس پاس ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی مسجد کے ایک حصے میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، وہاں سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔

---

[1] معجم البلدان، للحمویؒ، ص ۲۶۳ ج ۱۴، والخطط المقریزیۃ ص ۶۰ ج ۲۔

[2] الخطط المقریزیۃ ص ۱۴۹ ج ۲۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اور اپنے وطن سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ ہی میں مقیم ہوگئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں حصّہ لیا، آپ کا شمار فقہاء صحابہؓ میں ہے، خاص طور پر میراث کے علم میں مشہور تھے، اور قرآن کریم کی تلاوت انتہائی دلکش انداز میں فرمایا کرتے تھے، آپؓ نے اپنے ہاتھ سے قرآن کریم کا ایک نسخہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ نسخہ اب تک مصر میں موجود ہے، اور اس میں سورتوں کی ترتیب مصحفِ عثمانی کی ترتیب سے مختلف ہے، اور اسکے آخر میں لکھا ہوا ہے: "وکتبہ عقبۃ بن عامر بیدہ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ جہاد میں مشغول رہے۔ دمشق کی فتح میں بھی شامل تھے، بلکہ حضرت عمرؓ کو فتح دمشق کی خوشخبری انہوں نے ہی سُنائی تھی، مشاجراتِ صحابہؓ کے دور میں آپ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے، جنگ صفینؔ میں حضرت معاویہؓ ہی کی طرف سے حصّہ لیا۔ بالآخر حضرت معاویہؓ نے آپ کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا [1]۔

آپ کے بہت زیادہ حالاتِ زندگی کتابوں میں نہیں ملتے، البتہ آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

آپ کا مزار جس جگہ واقع ہے، یہ وہی جگہ ہے جس کے بارے میں "قلعۂ صلاح الدین" کا تعارف کراتے ہوئے میں لکھ چکا ہوں کہ یہ "جبل المقطم" کا ایک حصّہ تھی، اور حضرت عمرؓ نے اسے قبرستان بنانے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ کتابوں میں مذکور ہے کہ یہاں بہت سے صحابۂ کرامؓ مدفون ہیں۔

لیکن ان حضرات کے مزارات کا یا تو نام ونشان باقی نہیں رہا، یا انہیں جاننے والے ختم ہوگئے ؎

سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کے بعد ہم واپس ہوٹل آگئے۔ مصر میں پاکستان کے سفیر جناب راجہ ظفر الحق صاحب نے رات کے کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا، تھوڑی دیر میں انکی گاڑی پہنچ گئی۔ اور انکے مکان پر جانا ہوا۔ یہ شاندار مکان جو ماشاء اللہ پاکستان کی ملکیت ہے، اور سفیر پاکستان کی

---

[1] ان حالات کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ص ۲۴۲ و ۲۴۳ ج ۷ و اسد الغابہ ص ۴۱۷ ج ۳۔

رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، دریائے نیل کے کنارے شہر کے ایک خوبصورت علاقے میں واقع ہے جو "گارڈن سٹی" کہلاتا ہے۔

راجہ صاحب سے کھانے پر دیر تک گفتگو رہی، جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، انہوں نے یہاں آنے کے بعد مختصر مدت میں یہاں کے علمی حلقوں میں بڑی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کرلی ہے، بہت سے ملکوں میں ہماری سفارت بڑی کمزور ہے، اور اپنے سفارتی مشنوں کی بے عملی دیکھکر بڑا دکھ ہوتا ہے، لیکن ماشاء اللہ راجہ صاحب بڑے فعّال اور نشیط ہیں، اور انکی فرض شناسی سے بحمد اللہ یہاں پاکستان کے تعارف اور اسکے موقف کی وضاحت میں بڑی مدد ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ملک وملّت کی مزید خدمت کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

دریائے نیل

راجہ صاحب کے مکان سے واپسی کے بعد طبیعت میں معمولی ثقل سا تھا، اس لیے میں ہوٹل سے اتر کر چہل قدمی کے لیے دریائے نیل کے کنارے چلا گیا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا، دریا کے دونوں طرف بنی ہوئی عمارتوں کی رنگ برنگ روشنیاں نیل کے پانی میں منعکس ہو کر ایسے ایسے رنگ پیدا کررہی تھیں جن کے لیے انسانی لغت نے الگ نام وضع نہیں کئے۔ دریا پر بنے ہوئے خوبصورت پُل پر کاروں کی مخالف سمتوں سے دوڑتی ہوئی روشنیوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے نیل کے دونوں کنارے سونے کی گیندیں ایک دوسرے کی طرف پھینک رہے ہوں۔

یہ تاریخی دریا قوموں کے عروج وزوال کی نہ جانے کتنی داستانیں اپنی لہروں میں چھپائے ہزارہا سال سے اسی طرح بہہ رہا ہے، صحیح احادیث میں اسکو "جنت کا دریا" کہا گیا ہے، اور معراج کی شب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ نے اُسکی جڑ میں دو کھلے ہوئے اور دو چھپے ہوئے دریا دیکھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سوال پر بتایا کہ یہ کھلے ہوئے دریا نیل اور فرات ہیں[1]۔

سیحان، وجیحان، والفرات، والنّیل کل من أنهار الجنة[2]

سیحان، جیحان، فرات، اور نیل جنت کے دریا ہیں۔

ان دریاوں کے "جنت کے دریا" ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، علماء کرامؒ نے اسکی متعدد تشریحات کی ہیں[3] لیکن الفاظِ حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے، اور اکثر علماء نے اُسکی یہی تشریح کی ہے کہ ان دریاؤں کا اصل سرچشمہ جنت ہی کا کوئی دریا ہے، رہی یہ بات کہ جنت کے ساتھ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب المعراج، حدیث نمبر ۳۸۸۷۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، ص ۳۸۰ ج ۲ [3] ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۲۱۴ ج ۷، کتاب المناقب۔

ان دریاؤں کے رابطے کی صورت کیا ہے؟ یہ نہ کوئی جانتا ہے، نہ اسے حدیث میں بیان کیا گیا، اور نہ اس تحقیق میں پڑھنے کی کوئی ضرورت ہے۔

لیکن اتنی بات واضح ہے کہ دریائے نیل کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جن کی بناء پر وہ دنیا کے دوسرے دریاؤں سے واضح طور پر ممتاز ہے۔

۱۔۔۔ یہ اپنے طول کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا دریا ہے جو چار ہزار میل میں پھیلا ہوا ہے۔[۱]

۲۔۔۔ اکثر و بیشتر دریا شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں، لیکن یہ دریا جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے۔[۲]

۳۔۔۔ یہ بات ہزارہا سال تک محققین کے لیے ایک معمہ بنی رہی ہے کہ اس دریا کا منبع کہاں ہے؟ علامہ مقریزیؒ نے "الخطط" میں اس عنوان پر بارہ صفحات لکھے ہیں، اور اس میں مختلف آراء اور روایات ذکر کی ہیں جن سے کسی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس کے منبع کی دریافت کی صدیوں طویل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بالآخر اب جو نظریہ مقبول عام ہے وہ یہ کہ یہ دریا یوگنڈا کی جھیل وکٹوریہ سے نکل رہا ہے۔ لیکن برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ یہ بات اس معنی میں تو درست ہے کہ وکٹوریہ جھیل پانی کا وہ سب سے بڑا ذخیرہ ہے جہاں سے نیل نے اپنے چار ہزار میل لمبے سفر کا آغاز ہے، لیکن اگر منبع سے مراد سرچشمہ لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ وکٹوریہ جھیل کا پانی کہاں سے آرہا ہے؟ وکٹوریہ کو پانی مہیا کرنے والے ذرائع متعدد ہیں ان میں سے اب تک کاجیرا کی وادی کو نیل کا آخری سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ ابھی تک اس کے سروے کا کام پوری طرح مکمل نہیں ہو سکا۔ اسی لیے مقالہ نگار کے الفاظ میں:

"جغرافی تحقیق کے مسائل میں نیل کے منبع کے مسئلے کے سوا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس نے اتنے طویل عرصے تک انسانی تصورات پر اتنی شدت کے ساتھ اثر ڈالا ہو۔"[۳]

اگر انسان آتنی ہزار سال کی تحقیق اور ریسرچ کے بعد دنیا ہی میں اس دریا کا آخری سرا سو فی صد یقین کے ساتھ دریافت نہیں کر سکا تو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے ساتھ اسکے جس رابطے کی نشان دہی فرمائی ہے، اس کا ٹھیک ٹھیک سراغ کون لگا سکتا ہے؟

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۴۵۱ ج ۱۶ - مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ " NILE "

[۲] الخطط المقریزیہ ص ۱۱۳ ج ۱۔

[۳] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، حوالہ بالا، ص ۴۵۵ ج ۱۶۔
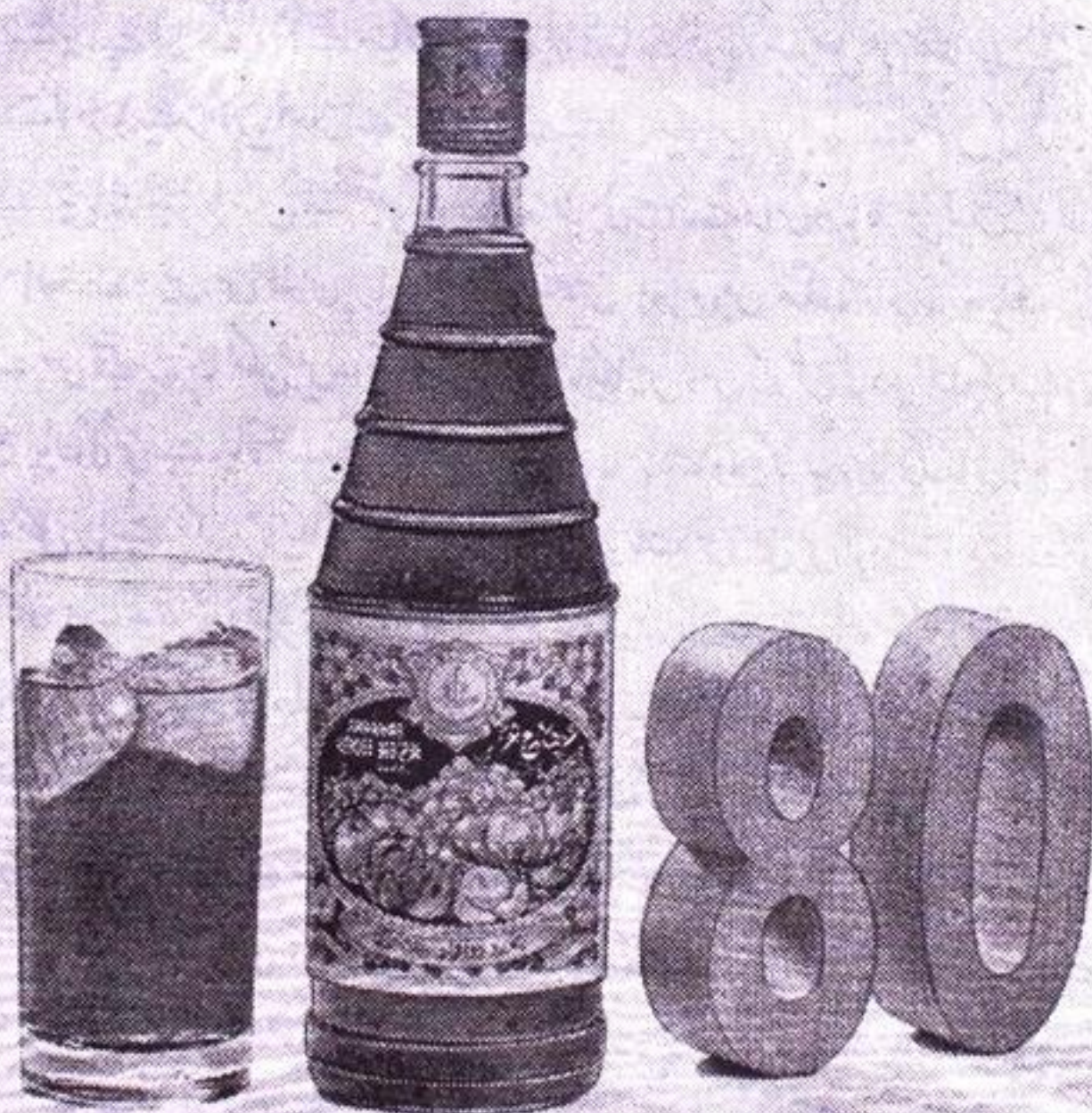
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

معاملات کی شرکت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے

معارف القرآن | سورۂ ص | آیت ۲۱ تا ۲۵

طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی خوفناک چیز سے طبعی طور پر گھبرا جانا نبوت اور ولایت کے منافی نہیں ہے۔ ہاں اس خوف کو دل و دماغ پر طاری کر کے اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ضرور برا ہے اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں انبیاء کی شان یہ بیان کی گئی ہے لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ (وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو خوف کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ڈرنے کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک ڈر تو موذی اشیاء کے تکلیف پہنچانے سے ہوتا ہے اُسے عربی میں خوف کہتے ہیں۔ دوسرا ڈر کسی بڑے کی عظمت، جلالت شان اور رعب کی وجہ سے ہوتا ہے اُسے خشیۃ کہا جاتا ہے (مفردات، راغب) خشیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہونی چاہیئے اور انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے سوا ان پر کسی کی خشیت طاری نہیں ہوتی۔ ہاں خوف طبعی موذی اشیاء سے ہو سکتا ہے

بے قاعدگی پر حقیقت حال کے منکشف ہونے تک صبر کرنا چاہیئے | قَالُوْا لَا تَخَفْ (انہوں نے کہا ڈریئے نہیں) آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنی بات بیان کرنی شروع کر دی، اور حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اچانک کسی بے قاعدگی کا مرتکب ہو تو اُسے فوراً ملامت اور زجر و توبیخ شروع نہیں کر دینی چاہیئے۔ بلکہ پہلے اس کی بات سُن لینی چاہیئے۔ تاکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس اس بے قاعدگی کا جواز تھا یا نہیں، کوئی اور ہوتا تو آنے والوں پر فوراً برس پڑتا، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے انکشافِ حقیقت کا انتظار فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ معذور ہوں۔

وَلَا تُشْطِطْ (اور بے انصافی نہ کیجئے) آنے والے کا یہ اندازِ خطاب بظاہر بڑا گستاخانہ تھا، اول تو دیوار پھاند کر بے وقت آنا، پھر آ کر حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو انصاف کرنے اور ظلم سے بچنے کا درس دینا، یہ سب

اکھڑپن کی باتیں تھیں، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سب باتوں پر صبر فرمایا اور انہیں کچھ برا بھلا نہیں کہا۔

بڑے آدمی کو چاہیئے کہ اہل حاجت کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اُسے چاہیئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے کہ یہی اس کے مرتبہ کا تقاضا ہے خاص طور سے حاکم، قاضی اور مفتی کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے (روح المعانی)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ (داؤد علیہ السلام نے کہا اس نے جو تیری دُنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کی ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کیا ہے) یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فقرہ صرف مدعی کی بات سن کر ارشاد فرمادیا، مدعا علیہ کا بیان نہیں سنا۔ اس پر بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ وہ لغزش جس پر آپ نے استغفار فرمایا، یہی لغزش تھی۔ لیکن دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ درحقیقت یہاں مقدمہ کی پوری تفصیلات بیان نہیں ہورہی ہیں صرف ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے یقیناً مدعا علیہ سے اس کا موقف سنا ہوگا۔ لیکن اُسے یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ فیصلوں کا معروف طریقہ یہی ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مدعا علیہ سے پوچھنے کا جزو محذوف ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اگرچہ آنیوالوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے عدالتی فیصلہ طلب کیا تھا، لیکن نہ وہ وقت عدالت کا تھا نہ مجلس قضا کی تھی نہ وہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کے وسائل جمع تھے، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے قاضی کی حیثیت میں نہیں بلکہ مفتی کی حیثیت میں فتویٰ دیا اور مفتی کا کام واقعہ کی تحقیق کرنا نہیں ہوتا بلکہ جیسا سوال ہو، اس کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے۔

کسی قسم کے دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ بھی طلب کرنا غصب ہے

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کے محض دُنبی مانگنے کو ظلم قرار دیا، حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی ہوگئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے لہٰذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کرسکتا ہو، تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو، لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لئے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کا ہے جو مدارس و مکاتب، مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لئے چندے وصول کرتے ہیں صرف وہ چندہ حلال طیب ہے جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کرکے چندہ وصول کرلیا تو یہ صریح ناجائز فعل ہے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ۔

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه

کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی دل کے بغیر حلال نہیں

معاملات کی شرکت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (اور بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں) اس سے اس بات پر تنبیہ کردی ہے کہ جب دو انسانوں میں شرکت کا

کوئی معاملہ ہو تو اس میں اکثر ایک دوسرے کی حق تلفیاں ہو جاتی ہیں بعض اوقات ایک آدمی ایک کام کو معمولی سمجھ کر کر گزرتا ہے لیکن درحقیقت وہ گناہ کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ (اور داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے) اگر مقدمہ کی صورت کو حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش کی تمثیل قرار دیا جائے تب تو یہ خیال آنا ظاہر ہی ہے اور اگر صورت مقدمہ کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو، تب بھی فریقین کی مجموعی حالت یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی کہ یہ امتحاناً بھیجے گئے ہیں ایک طرف تو ان فریقوں نے مقدمہ کے فیصلے کے لئے اتنی جلد بازی اور جرأت سے کام لیا کہ دیوار پھاند کر چلے آئے۔ دوسری طرف جب مقدمہ پیش ہوا تو مدعا علیہ خاموش بیٹھا رہا اور قولی یا عملی طور سے مدعی کی بات کو بے چون وچرا تسلیم کر لیا۔

اگر مدعی کے بیان کردہ واقعہ کو مدعا علیہ تسلیم کرتا تھا تو جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آنے کی ضرورت ہی نہ تھی ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس صورت میں مدعی کے حق میں ہی فیصلہ کریں گے۔ فریقین کا یہ پُر اسرار طرز عمل بتا رہا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھانپ لیا کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں اور میرا امتحان مقصود ہے اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ فیصلہ سننے کے بعد وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چلے گئے۔ واللہ اعلم

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ (پس انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی، اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے) یہاں دراصل رکوع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سجدہ ہے احناف کے نزدیک اس آیت کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے | اور امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

سجدۂ تلاوت کے بعض مسائل | مسئلہ:- نماز کے فرض رکوع کے ذریعے سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے جبکہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ رکوع صرف نماز میں عبادت ہے نماز سے باہر مشروع نہیں (بدائع) مسئلہ:- رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہوگا جبکہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو، اور اگر آیت سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرأت کی ہو تو سجدہ رکوع میں ادا نہیں ہوگا۔ مسئلہ:- اگر سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے، ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ ہاں جب سجدہ میں جانے لگا تو بلا نیت بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ مسئلہ:- افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ کیا جائے اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں (بدائع)

فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ (اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے یہاں خاص تقرب اور نیک انجامی ہے)

اس آیت پر واقعے کو ختم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش جو کچھ بھی رہی ہو، ان کے استغفار اور انابت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے تعلق میں اور اضافہ ہو گیا۔

غلطی پر تنبیہ میں حکمت کی رعایت اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو، اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ بھی آپ کو اس پر تنبیہ فرما سکتے تھے۔ لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے یہ خاص طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟ درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ موثر ہوتا ہے جس سے کسی کی دلآزاری بھی نہ ہو اور ضروری بات بھی واضح ہو جائے۔
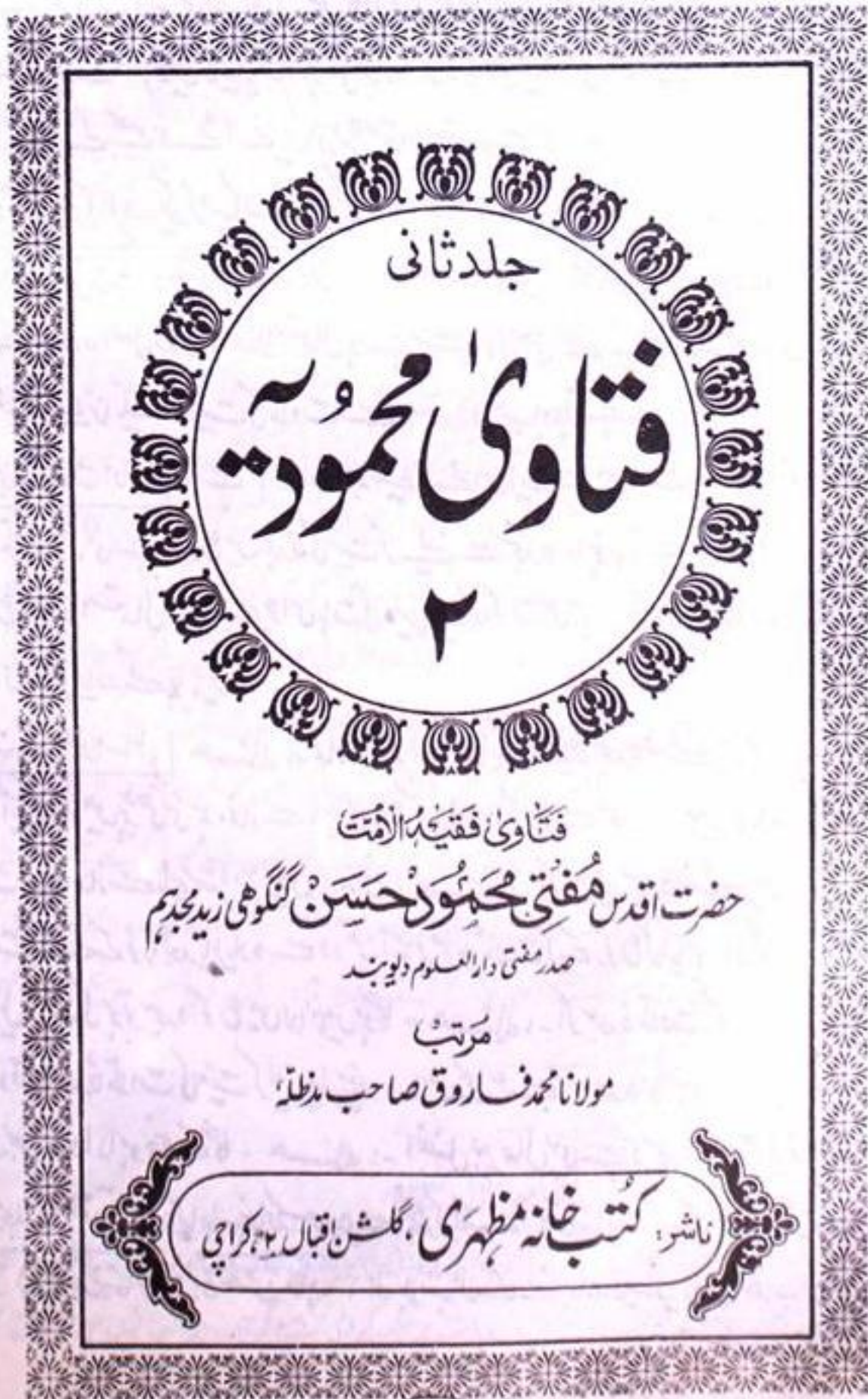
نیاز احمد خاں ایڈووکیٹ

اسلام میں انسانی حقوق

اسلام سلامتی کا پیغام ہے۔ آدم و حوا کی تخلیق و ابتلا کی اساس پر انسانوں کی تاریخ کا آغاز کرتا ہے سجدۂ ملائک سے انسان کی عظمت کا نقش اُبھرتا ہے۔ علم میں آدم کی برتری کائنات میں اس کی عظمت کی دلیل ہے، کائنات اپنی تمام وسعتوں، بے کرانیوں، توانائیوں، ناہمواریوں، ہیبت ناکیوں، پہاڑوں کی فلک بوس بلندیوں، سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں، شجر و حجر کی بوقلمونیوں، چاند ستاروں کی تابانیوں اور خورشید کی شعلہ باریوں کے باوجود انسان ہی کی خدمت میں سرگرم عمل ہے۔ برہان و علم کے شناوروں کو سمجھانے کے لئے کسی اور واضح ثبوت کی ضرورت ہے کیا؟ کہ انسان کو مصور کائنات نے ان تمام حقوق کا شعور بھی عطا کیا۔ جو اس سفرِ آب و گل میں زادِ راہ رہے۔ قدم قدم آباد و شاداب رہے۔ گلستانِ حیات میں گل کاریاں اور گلکاریاں ہوں۔ اسلام مہد سے لحد کے حقوق کا منشور دے گیا۔ کیوں نہ ہو خالقِ انسان فاطرِ فطرت ہے۔ اُس نے کسی امر کو خلا میں نہیں چھوڑا۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبل الرحمت کے پہاڑی اعلان میں انسانی حقوق کی بنیاد رکھ دی۔

"سب لوگوں کا رب ایک ہی ہے۔ اور سب آدمیوں کا باپ ایک ہی ہے
تم آدمؑ سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا کے نزدیک تم میں سے محترم ترین وہی ہے
جو سب سے زیادہ متقی ہو، ورنہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ عربی کو عجمی
پر۔ اپنے خالق کے سامنے سب مساوی ہیں۔"

اس لئے کشوری قانون کے آگے بھی مساوی المرتبہ ہیں۔ اس مساوات کا اعلان ایسے زمانہ میں کیا گیا جبتک تمام مسیحی معاشرہ اس سے عملاً ناواقف تھا۔

جبکہ بزعم خود متمدن اور مذہب مغربی معاشرہ جو تسخیر کا مدعی ہے ۱۹۴۶ء میں انسانی حقوق کے تعین کے بارے میں متوجہ ہوسکا۔ دو سال کی بحث و تمحیص، رد و کد کے بعد ۱۰ دسمبر کو پیرس میں اقوام متحدہ

کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں ۳۰ دفعات پر مشتمل حقوق کے اعلان کی منظوری دی گئی۔
یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۵۸ قوموں کی نمائندگی تھی۔ مگر سب نے ان حقوق کے حق میں ووٹ نہیں دیا۔ ۴۸ نے ووٹ دیا۔ ۸ نے گریز کیا اور دو غیر حاضر رہے۔ باوجود اس کے خوشی کا اظہار ہوا کہ کسی نے مخالفت میں ووٹ نہیں دیا۔ جن حقوق و آزادی کا اعلان کیا گیا۔ ان میں مندرجہ ذیل حقوق شامل ہیں۔

(۱) حق زیست
(۲) فرد کی آزادی اور تحفظ
(۳) غلامی سے آزادی
(۴) من مانی گرفتاری اور نظربندی
(۵) آزاد و غیر جانبدار عدالتوں کے ذریعہ (Trial) کا حق
(۶) جبتک جرم ثابت نہ ہو اس وقت تک بے گناہی کا حق
(۷) گھر کا تقدس اور خطوط کی رازداری کا حق
(۸) آزاد گھومنے پھرنے (Movement) اور رہائش کا حق
(۹) حق شہریت
(۱۰) شادی اور خاندان کی بنیاد کا حق
(۱۱) ذاتی ملکیت کا حق
(۱۲) فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق
(۱۳) رائے اور اظہار رائے کی آزادی
(۱۴) آزادی اجتماع و تنظیم
(۱۵) حق رائے دہی اور حکومت میں شرکت کا حق
(۱۶) اجتماعی کفالت کا حق
(۱۷) کام کا حق
(۱۸) مناسب معیار زندگی کا حق
(۱۹) تعلیم کا حق
(۲۰) قومی تمدنی زندگی میں شرکت کا حق

اس اعلان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے اس کے باوجود اس اعلان کو بین الاقوامی میگنا کارٹا اور انسانی حقوق کا چارٹر (Charter of Human Rights) کہا جاتا ہے۔
اسلام نے انسانی حقوق کو افراد کی صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ یہ فرض ہے۔ ریاست کی قوت قاہرہ اسکے

حصول اور تنفیذ کی پابندی۔

متذکرہ صدر حقوق جو ان گنت صدیوں کی ڈوبتی اور ابھرتی انسانیت نے محض رسمی اعلان کے ذریعہ تسلیم کئے ہیں اور وہ بھی اس شان سے کہ کچھ قوموں کے نمائندوں نے اعلان کی حد تک بھی شرکت گوارا نہ کیا۔ جبکہ جو انسانی حقوق اسلام نے عطا کئے ہیں وہ اتنے ہی قدیم ہیں جتنا کہ انسان۔ پھر یہ بھی کہ ان حقوق انسانی کو محض پند وعظ کے عنوان کے لئے یا استحصال کے لئے نہیں بلکہ واقعتاً دینے اور برتنے کے لئے تسلیم کئے ہیں اور قرآن گواہ ہے کہ انتہائی قدیم عہد میں بھی جب کوئی نبی کسی قوم میں مبعوث ہوا تو صرف اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوا نظر آیا۔ جو انسان کو انسان کی بندگی سے نجات دلاتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

انسان دوسرے انسان کے برابر قرار پاتا ہے۔ انسان کی حیثیت میں، صلاحیتوں، رنگ روپ نسل اور زبان کے اعتبار سے نہیں۔ امارت و عزت انسان کے حق کی بنیاد نہیں۔ دنیادی عمل کی فروانی کسی کی کرامت کا معیار نہیں۔ بلکہ کردار، خدامستی و خداترسی شناخت و اکرام کا باعث ہوتا ہے۔ انسانی مساوات انسان کی آزادی کا اعلان و اقرار ہے۔ دوسرے لمحے ہی نبیؐ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیوں؟ وہ اس لئے کہ وسائل قدرت پر سارے نسل آدم کا حق ہے۔ انسان کا یہ حق ہیکہ وہ وسائل فطرت اور اس کی بنیاد پر حاصل کی ہوئی دولت میں اپنا حصہ حاصل کرے۔ بھیک نہیں۔ حق کے طور پر۔ اس کا یہ مفہوم نہ سمجھ لیا جائے کہ دوسروں کی محنت اور دولت پر پلنے کا حق دیا گیا ہے۔ یہ حق ان کی فطری محرومی، یا مناسب و منصفانہ مواقع نہ ملنے کے سبب پیچھے رہ جانے، یا کسی اور معقول وجہ سے معاشرے میں مفید کردار کی ادائیگی میں موثر حصہ نہ لے پا رہے ہوں۔ تو دولت مندوں کی دولت میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور دلوایا گیا ہے۔

"اسلام انسان کی آزادی کا اعلان عام ہے"۔ اسلام عدل و احسان و مساوات کا سرچشمہ ہے۔ مراعات یافتہ اور مفاد پیوستہ (Vested interest) طبقات یا گروہوں کا سرپرست بنیں۔ نہ ہی اقلیم اسلام میں ان کے پیدا ہونے اور پروان چڑھنے کی اجازت ہے۔ یہاں انسان کو انسان کی حیثیت سے حقوق دیئے گئے ہیں۔ انسان کو دیئے ہوئے حقوق نہ بلا حق رد کئے جاسکتے ہیں۔ نہ تلف کئے جاسکتے ہیں۔

منشور ربانی کے آخری نقیبؐ نے انسانوں کو تاقیام قیامت رہنمائی کے ایسے نقوش ثبت کر دیئے ہیں کہ قافلۂ آدم اگر منزل گم گشتہ پالینے کی تڑپ رکھتا ہو تو شیاطین جن و انس اس کا راستہ نہیں روک سکتے انسان راہ فطرت پر جب تک گامزن رہتا ہے یا کم از کم رہنے کی کوشش کرتا ہے اس وقت تک اس کے مقدر کا ستارہ چمکتا اور دمکتا ہے ورنہ شب تاریک میں آسمانوں کے ہزاروں کہکشانی ستارے بھی اسے راستہ دکھانے سے قاصر رہتے ہیں۔

اسلام بنیادی طور پر شخصی، ملکیتی اور عزت کے حقوق کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی تمام حقوق ان تینوں کے ذیلی عنوانات ہیں محسن انسانیتؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ان پر زور دیا ہے۔ مسلمانوں کا فوجداری قانون تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

(۱) اہم جرائم ۔ قتل، جسم کا اتلاف (Form ...)
یہ تمام جرائم شخصی کے خلاف ہیں۔
(۲) چوری و ڈکیتی ۔ (جائیداد کے خلاف جرائم ہیں)
(۳) آبرو کے خلاف اقدام

جان و مال اور آبرو کا تحفظ جس طرح اسلام نے کیا ہے ۔ قطع نظر مذہب و ملت، آزاد و غلام، کالے اور گورے کے ۔ نہ صرف قرنِ اول میں بلکہ مسلمانوں کے عہدِ حکمرانی میں بھی۔ تاریخ کے فخر و نازش کا باب ہے ۔

مشہور پادری کارالفکی لکھتا ہے :۔

"علاوہ یہودیوں کے جن پر سخت مظالم ہو رہے تھے ۔ یعقوبی عیسائیوں نے بھی عربوں کو اس لئے نجات دہندہ کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔۔۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اسی مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اختیارات عطا کئے جائیں"۔

(ص ۱۵۷ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ۔ ڈاکٹر حمید اللہ)

ایک اور اہم شہادت ۔ غیر مسلم ہی کی۔ ایک نسطوری پادری نے ایک دوست کے نام جو خط لکھا تھا وہ موجود ہے اور اس میں لکھا ہے ۔

"یہ طائی (یعنی عرب) جن کو آج کل خدا نے حکومت عطا کی ہے۔ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں۔ لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں۔ اس کے برعکس وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجوں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں ۔

(ص ۱۵۸ ۔ ایضاً)

جان کی حرمت کا جو حق اسلام نے تسلیم کیا ہے اور وہ بھی کب ؟ آج نہیں ۔ صدیوں پہلے ۔ طاقتور اور کمزور، دولت مند اور غریب، کالے اور گورے، عورت و مرد، بچہ و ضعیف، کسی کی جان میں امتیاز نہیں برتا، بلکہ سب کی جان کی حرمت مساوی ہے۔ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا گیا۔ ایسا نہیں کہ قتل کوئی اور کرے اور بدلے میں قتل کوئی اور ہو جائے ۔

حمورابی (قانون حمورابی دفعات ۱۱۶، ۲۱۰، ۲۳۰) ۔ یہ بابل کا بادشاہ تھا۔ اس کا قانون ایک کتبے پر ملا ہے کہتے ہیں کہ یہی حضرت ابراہیم کا نمرود تھا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ۔ ص ۱۶۲) کے زمانے میں بدلے اور انتقام کا تصور یہ تھا کہ کسی کی بیٹے یا بیٹی کے قتل پر قاتل کے بیٹے یا بیٹی کو قتل کیا جائے ۔ قانون حمورابی کے بعد اس کے قانون قضا میں اعضاء کا بکیہ حصہ قانون حضرت موسیٰؑ (توریت) میں بھی ملتا ہے ۔ جس میں آنکھ کے عوض آنکھ اور کان کے کان کا طریقہ قائم کیا گیا تھا (تائید کے لئے قرآن ۵/۴۸) مگر یہ عہد اسلام کی، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ترقی ہے کہ عمد، مشابہ عمد اور خطا میں فرق کیا جانے لگا اور نیت سب سے پہلے دیکھی جانے لگی۔ اور بہت سی صورتوں میں ضمان یعنی ٹارٹ مقرر کر دیا گیا۔ اور ہرجے کا معاوضہ بجائے مساوی انتقام کے رقمی یا مادی صورتوں میں دلایا جانے لگا۔ ذمہ داری کو "شخصی" قرار دیا گیا۔ بیاتی نہیں کہ ایک کا بار دوسرے پر لاد دیا جائے۔ اسی طرح شبہے کا فائدہ ملزم کو دینا اور غلطی سے سزا دینے کی جگہ غلطی سے رہا کرنا اصولاً بہتر قرار دیا گیا۔

انسانی جان کی حرمت کا حق اسلام میں کس قدر ہے۔ اس کی ایک جھلک آپ نے دیکھی۔ اسلام گو کہ مساوی بدلے کی اجازت دیتا ہے مگر عفو، صلح اور صبر سے کام لینے کو بہتر قرار دیتا ہے۔ قرآن سے دو آیتوں کے ترجمے پیش خدمت ہیں:

"برائی کا بدلہ مساوی برائی ہے (زیادہ نہیں) اگر عفو و صلح سے کام لے تو خدا اس کا اجر دے گا۔" ۴۲/۴۰

" اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی لو جتنا تمھیں نقصان پہنچایا گیا ہے لیکن اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے۔" ۱۶/۱۲۶

• مال دوسرا بنیادی حق ہے "بلا رضامندی کوئی کسی کا مال نہ لے اور نہ آپس میں لڑائی کرے"۔

"امانت اور قرض واپس ادا کئے جائیں"۔

" زمانہ جاہلیت کا سود ممنوع کیا جاتا ہے اور فی الوقت واجب الادا سود بھی نہیں دلائیں گے صرف اصل واپس ملے گا۔" حجۃ الوداع ۱۰ھ کے موقع پر جبل الرحمت کے مشہور خطبے میں منشور انسانیت!

لیکن یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ مال صرف وہ قابل اعتبار ہے جو حلال طریقوں سے حاصل کیا جائے۔ حرام مال کو کوئی تحفظ نہیں۔ اس کا تحفظ تو انسانی سماج کے لئے سم قاتل ہے۔ ناجائز اور حرام مال انسانی عزت و شرف کو پامال کرنے میں دلیر ہوتا ہے جو غارت گیر تہذیب و تمدن ہوتا ہے جو فرد مین کو مزید سوختہ جان کر دیتا ہے۔ ایسا مال محفوظ نہیں بلکہ پھینک دینے یا چھین لینے کے لائق ہے۔

آبرو انسان کا تیسرا بنیادی حق ہے۔ چونکہ انسانوں کا پالن ہار ایک ہے اور تمام انسانوں کا باپ بھی ایک۔ لہٰذا تمام افراد ایک ہی خاندان کے افراد ہی شمار ہوں گے۔ اس وجہ سے تمام ہی نسلی طور پر ایک ہی سرافراز گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب پر ایک دوسرے کی آبرو کی حفاظت لازم ہے۔ حکم یہ ہے کہ "جس شخص نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر دست درازی کی ہو۔ اسے چاہیئے کہ اسے معاف کرائے۔ سارے انسان برابر ہیں۔ نہ وہ کسی پر ظلم کرے اور نہ اس پر کوئی ظلم کرے۔ اور نہ اس کی بے عزتی کرے"۔

اسلام ان تمام حقوق کو تسلیم کرتا ہے اور عطا کرتا ہے جو انسان کی نشو و نما، اور اس کی تخلیقی غایت کی تکمیل میں مددگار ہو جس سے انسانیت کو فروغ ہو اور بہیمیت مٹے۔ جو اس کو شاہرہ حیات پر بلا خوف و خطر گامزن رہنے میں رہنمائی کریں، راہ کی ناہمواریوں، پیچیدگیوں اور پگڈنڈیوں کی نشاندہی لازم ہے کہیں انسان ان بھول بھلیوں میں گم نہ ہو جائے بایں وجہ حیات انسانی کی شاہراہ کے ہر موڑ پر رہنمائی کے بورڈ آویزاں ہیں۔ یہ حقوق کی تختیاں ہیں۔

یہ مرد و عورت کے حقوق کی تختی ہے ۔ "میاں اور بیوی کے ایک دوسرے پر حق ہوتے ہیں۔ شوہر کا حق یہ ہے کہ بیوی پاک دامن رہے، اور ان لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دے جن کو شوہر ناپسند کرتا ہے۔ بیوی کا حق یہ ہے کہ شوہر اسے اچھا کھلائے اور پہنائے۔ عورتیں ایک امانت ہیں۔ ان سے سلوک میں خدا سے ڈرو اور اچھا برتاؤ کرو۔"

اعراض ہوا۔ تو عورت دوہرے عذاب کا شکار ہوگئی۔ لیکن اپنی فطری معصومیت اور بھولپن میں کھلونا بنی ہوئی ہے اور اب تو رضاکارانہ طور پر لٹتی اور پٹتی ہے لیکن "آزادی نسواں" کے پرفریب نعرے اور "لیڈی فرسٹ" کے پرکیف اور مسرور کن "مشروب" اسے نشہ مستی سے ہوش میں آنے نہیں دیتے۔ چارہ گردن کا سارا فکری ماء اللحم مغرب کی مسحورکن اور پرکشش، نظر نواز اور دلنواز "شربت دیدار" جس کی پشت پر اشتہاری پروفیسروں اور اقتدار کی سرپرستانہ حمایت کی حامل بیگمات کی تشہیری و "تسخیری" قوت ہے۔ بے اثر کر دیتا ہے۔

لیکن عورت کو جو حقوق لڑکی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے الٰہی دین نے عطا کئے ہیں وہ انسانی فکر سے بہت زیادہ ہیں۔ یہ تمام حقوق انسان کی آزادی کی اساس پر عطا کردہ ہیں۔ انسانی اسکیم کے مقاصد کے حصول کے پیش نظر حقوق متعین ہیں۔ ان کے حدود کو توڑنے یا ٹوٹنے سے تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو معاشرہ میں انتشار کا سبب بنا ہے۔ تمام حقوق کو تہہ و بالا کرکے رکھ دیتا ہے۔ خاندانی نظام میں اختلال معاشرہ کے عدم استحکام کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق۔ حقوق العباد میں اس شعبہ کے حقوق بھی انتہائی اہم ہیں۔ رحمت اللعالمینؐ نے پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلے میں بڑے دلکش انداز میں فرمایا ہے کہ "تم کو معلوم ہے کہ ہمسایہ کا حق کیا ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ اگر تم سے مدد چاہے تو، اس کی مدد کرو، اور اگر قرض مانگے تو قرض دو، اور تم سے اس کا کوئی کام پڑے تو پورا کرو، اور بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اور مرجائے تو جنازہ کے ہمراہ جاؤ، اور اس کو کچھ بہتری حاصل ہو تو مبارکباد دو، اور مصیبت پڑے تو تعزیت کرو، اور بغیر اس کی اجازت کے اپنی عمارت اونچی نہ کرو کہ اس کی ہوا رکے، اگر کوئی میوہ خریدو تو اس کو ہدیہ دو ورنہ چھپاکر اپنے گھر لاؤ۔ اور اپنے بچوں کو میوہ لے کر باہر جانے نہ دو کہ اس کے بچے کو رنج ہو اور اپنی ہانڈی اور بگھارے اس کو ایذا نہ دو، ورنہ اس کے ہاں بھی ایک چمچہ بھیج دو"۔

مسافروں، بیماروں، قرضداروں، مستضعفین، یتیموں، اور قیدیوں کے حقوق کی پٹلیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ خانہ پُری کے حقوق نہیں، نہ آرائشی اغراض مطلوب۔ بلکہ ان میں سب کو ان کا حق ملنا چاہیئے۔ اور اگر یہ حقوق غضب یا غفلت کا شکار ہوں تو ریاست کو دلانا ہوگا۔

ایک مغربی مفکر و مستشرق پروفیسر ڈیوڈ ڈی سانتی لان نے اپنی مشہور کتاب میں فرماتے ہیں "حق کا استعمال حقیقتاً ایک فرض کی ادائی سمجھی جاتی ہے کیونکہ حق میں اگر نیکی ہے تو اس کو "بغیر گناہ کے ترک کرنا" ناممکن ہے۔ جو شخص غاصب سے مال مغصوبہ حاصل کرتا ہے وہ ایک اخلاقی فریضہ بھی انجام دیتا ہے اس لئے کہ اگر وہ خاموش رہے تو اس نے گویا ظالم کو اپنا ظلم جاری رکھنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم" صحابہؓ نے کہا کہ مظلوم کی مدد تو ہم سمجھ گئے مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ نبی رحمت نے جواب دیا "اس کا ہاتھ پکڑ لو" یعنی ظلم روک دو۔ اس طرح ہر شخص کا حق صرف اس کا معاملہ نہیں بلکہ اخلاقی فریضہ بھی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اخلاقی قانون اور معاشرتی اغراض اس حق کی چند حدود متعین کر دیتے ہیں۔ مصالحت اور سمجھوتہ کر لینے کو بہرحال مستحسن مانا جاتا ہے۔۔۔۔ قرض دار کے خلاف تکلیف دہ کاروائی شریعت کے خلاف ہونے کے علاوہ حق کا بیجا استعمال بھی ہے۔

"کوئی شخص اپنے حق کو اس طرح استعمال نہ کرے جس سے دوسرے کو صریح نقصان پہنچے"۔۔۔۔ یہ بالکل ٹھیک کہا گیا ہے کہ "انسان کا کوئی ایسا حق نہیں ہے جس میں خدا کا حصہ نہ ہو"۔ خدا کا حصہ اس کا یہ حکم ہے کہ ہر ایک کو اس کا جائز حصہ دو اور دوسرے کے حق میں مداخلت نہ کرو۔

علم حاصل کرنے کا حق۔ علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ عورت ہو یا مرد۔ "اہل علم ہی خدا سے ڈرتے ہیں"۔ ربانی فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ اسلام انسان کو اس علم کا حق عطا کرتا ہے جو اس کی شناخت کرائے۔ جو اس کو ملکوتی جمال عطا کرے۔ جو ایثار و وفا کا پیکر بنائے۔ جو اس کو خیر و بھلائی کا حریص اور شر و فساد، ظلم و عدوان کو کچلنے اور روکنے کا سرگرم مجاہد بنا دے۔ جو انسانوں کو انسانوں کے حقوق کا پاسبان بنا دے۔ جو آقا اور غلام کی تمیز مٹا دے۔ جو دولت و غربت کی خلیج پاٹ دے۔ جو دوسروں کی تکلیف پر تڑپا دے۔

ایسا علم نہیں جو ہوسناکی ہو۔ رقابت، خود فروشی، اور خود فراموشی کو پروان چڑھائے۔ وہ علم نہیں ابلیسی جال و چال ہے جو انسان کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے جو زرکی رہزنی و نقب زنی کے فن میں مہارت اور اختصاص کی سند عطا کرتا ہے۔ جو انسان کی بے لباسی کو حسن، بے نقابی و بے حجابی کو ترقی کی دلیل روشن قرار دیتا ہے۔

علم حقانی مطلوب ہے تو اس طرح کا علم کاروباری درسگاہوں اور بھوکے ملکوں، بلند و پست کے معیار پر قائم تجارتی تعلیمی اداروں سے یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا، یہ آبشار تو صرف حرارت عشق اور سوز قلب سے ہی ابلتا ہے۔ جو قلب و ذہن کی تہذیب کرتا ہے۔ وہ ایک اعلیٰ برتر زندگی کا شعور دیتا ہے۔ مقصد زیست کے ربانی تقاضوں کا شعور ہی آدم کی میراث کا سراغ دے سکتا ہے۔ شیطانی سرمایا۔ زیرکی و چالاکی۔ کے دام سے بچا سکتا ہے ورنہ اس کی "زیبائی" تو منتارے جال بننے کی ترغیب دیتی ہے۔

فہرست حقوق بہت طویل ہے۔ جیسا کہ میں نے آغاز میں ذکر کیا کہ اسلام پیدائش سے قبر تک کے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ ایک انسان مر جانے کے بعد کس سلوک کا حق دار ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین کے حقوق سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مرنے والے کو اگر مقروض ہو تو قرض کے بوجھ سے بھی ہلکا کرنے کا حکم ہے اس کے ترکے میں قرض خواہوں کا حق ہے۔

اسی طرح زندہ انسان کو بھی قرض سے دبا ہوا بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، دستور مملکت مدینہ

جو پہلا تحریری دستور ہے اس کی دفعہ ۱۲ الف میں درج ہے۔

"اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد کے بغیر چھوڑ نہ دیں گے
تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو"۔

انسان کے تین بنیادی حقوق جان، مال و آبرو کی بہت سی ذیلی سرخیاں ہیں۔ اگر سب کا ذکر ہو تو بہت وقت چاہیئے لہذا آخر میں ایک اہم حق کا بیان کر کے اس بحث کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ عدل گستری ہے۔

عدل گستری کو انسانیت کا عین اقتضا اور خدا کی نیابت کا پہلا فریضہ قرار دیا۔ چنانچہ یہ حکم دیا گیا کہ حق رسانی میں مدد دینے کے لئے بن بلائے بھی آگے بڑھنا اور اپنی معلومات کی حد تک سچ سچ گواہی دینا ہر شہری کے لئے ضروری ہے۔ جس نظام انصاف میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں، جہاں قانون، اصول عدل و قسط کا اطلاق مساویانہ ہوتا ہے۔ عہد نبوی میں ذات اقدس کے ٹارٹ (ضمان) کے جو مقدمات دائر کئے گئے۔ اس کا سنہ بولتا ثبوت ہیں۔ (ص ۸۳ عہد نبوی میں نظام حکمرانی) جب ملک کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی دار وگیر سے محفوظ نہ رہ سکے تو دیگر عہدہ دار اور عام لوگ کیونکہ بچ سکتے ہیں۔

اسلام نے چہرے کو انصاف و قانون کی بنیاد نہیں بنایا بلکہ اصول انصاف کے معرف و مسلمہ تقاضے کو ہی انصاف بنایا ہے۔ عدالت و جبر و استبداد کو خاطر میں لائے بغیر، الفاظ کے طلسم کا گرفتار اور ظواہر و محسوسات کے پرستار ہوئے بغیر، دولت و عزت کے امتیاز سے بالاتر ہو کر، بے لاگ اور خالصتاً "المیزان" کی کسوٹی پر ہونا چاہئیے۔

اظہار عجلت قانون کی تعبیر اس کا منشا اور اس کی افادیت اگر چہرہ چہرہ ہو تو سماجی حیثیت و افادیت پر مبنی ہو یا اس کا تاثر ملتا ہو۔ تو انصاف خون خون ہو جاتا ہے۔ کسی بے معنی بول میں ہزار معنی تلاش کیا جائے اور کسی تولے ہوئے بول کو بھی جہل و جھول کا شاہکار جانا جائے تو پھر کہنے والے کہتے ہیں۔ ع

گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

اس کی وجہ ہے۔ مورخ ابوالحسن خزرجی فرماتے ہیں۔ "سلطنت کفر کے ساتھ تو رہ جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں۔" مولانا جلال الدین رومیؒ نے سلطان علاؤالدین کیقباد کو انتہائی دردمندانہ مشورہ دیا۔ سلطان نے جب تونیہ کا قلعہ تیار کیا۔ تو ایک روز سیر کی درخواست کی، آپ نے فرمایا دفع سیل اور منع خیل کے لئے اچھا ہے مگر مظلوموں کے تیر دعا کا کیا علاج آپ نے سوچا ہے۔ جو ہزاروں لاکھوں برجوں کو لے گزر جاتی ہے اور عالم کو خراب کر ڈالتی ہے عدل و انصاف کا قلعہ بنائیے کہ اس میں دنیا کا امن اور عاقبت کی خیر ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول سید ابوالحسن ندوی)

عدل مجروح ہوتا ہے۔ جب "تخلیق دستور" کے گنبد بے در میں بند ہونے کا تصور کارفرما ہوتا ہے۔ عدل و قسط کا اسلامی فلسفہ اس نظریہ کی۔ میرے فہم کے مطابق، تائید کرتا ہے میں اس نکتہ نظر کی تائید میں مولانا صدرالدین اصلاحی کی کتاب "اسلام ایک نظر میں" سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ (ص ۲۲۹)

"قاضیوں اور ججوں کا تقرر اگر بلا واسطہ یا بالواسطہ حکومت ہی کرتی ہے۔ لیکن
جب ایک قاضی کا تقرر ہو گیا تو وہ ایک عدالت کی کرسی پر حکومت کا نہیں بلکہ خدا

رسول کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے لئے احکامات شریعت کے سوا اور کوئی چیز قابل لحاظ نہیں رہ جاتی"۔

حق عدل بار بار کی حلف برداریوں سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ جب "احکامات دفرا ہیں" اصول انصاف کی گرفت سے آزاد اور مامون انسانی حقوق پر ڈاکہ زنی اور بیدزنی کرتے ہیں۔ گر انصاف جب ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق کھڑا رہتا ہے محض غیر جانبدار تماشائی کا گمان ہوتا ہے۔ اس جبریت کے نظام کا منصفِ تیغ ہوتا ہے۔ جہاں رسیاں اور سولیاں ہوتی ہیں۔ بقول شاعر

تیغ منصف ہو جہاں دار و رسن ہو شاید
بے گناہ کون ہے اس شہر میں قاتل کے سوا

ایسے ہی کچھ حالات سے ایک جج متاثر ہو کر رقمطراز ہوئے کیا ایک جج کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس دنیا میں بالکل بے تعلق ہو کر رہے۔ جہاں قانون کا احترام بالکل ختم کر دیا گیا ہو۔ اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما ہو۔ جہاں قانون بیچارہ لوٹ کھسوٹ اور مظالم کے جواز کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہو۔ جہاں حکومت کے مناصب اور ہر طرح کے فوائد سے صرف وہ لوگ متمتع ہو سکتے ہوں جو حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں۔ جہاں نفاق کامیابی کا واحد ذریعہ خیال کیا جاتا ہو۔ اور اباحیت و بداخلاقی کو جاہ منزلت کی اولین شرط سمجھا جاتا ہو۔ کیا ایک جج اس بات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے وطن میں عہد جاہلیت کے زمانے کا دور دورہ ہو۔ زیردست اپنے خون پسینہ ایک کر کے کمائے اور زبردست اسے چھین اور مزے سے بیٹھ کر کھائیں۔ کمزور کو اپنے جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے سوکھا نوالہ اور میلا چیتھڑا بھی میسر نہ ہو اور طاقت سونے چاندی سے کھیل رہا ہو۔ اور اگر شکایت کرے تو قانون اس کے خلاف حرکت میں آجائے۔۔۔۔

"پھر کیا ایک جج اس بات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر سکتا ہے کہ ایک ملک کے دستور میں یہ دفعہ درج ہو کہ ریاست کا دین اسلام ہے۔ لیکن حکومت اور حکمران، اسلام کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں کریں۔

جج صرف اس قوم کے اندر غیر جانبداری کا موقف اختیار کر سکتا ہے۔ جہاں ابنائے قوم اپنے قانون کا لفظاً و معناً احترام کرتے ہوں، اور ضعیف اور قوی یکساں طور پر اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوں۔ لیکن جس قوم کا یہ حال ہو کہ وہ ایک دین کو قبول کرے، اور اس پر کاربند نہ ہو۔ قوانین بنائے اور اسے نافذ نہ کرے، حق عدل و انصاف کی علمبرداری کا دعوی کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے۔ جو قوم تواصو بالحق، دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دے اس قوم کا جج اگر بے تعلق اور غیر جانبدار بھی رہنا چاہے

تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے بہت سی جبینیں ایسی ہیں جن پر ان سطور کے پڑھ لینے کے بعد شکن پڑھ جائیں گے۔ بہت چہرے ایسے ہیں جو غضب آلود ہو جائیں گے۔ لیکن میں ان صنم پرستوں سے کہتا ہوں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے یہ سارے قوانین وضوابط عصر حاضر کے لات ومنات ہیں ان کی اطاعت کرکے ایک مسلم اپنے اللہ کو ناراض کرتا ہے"...

اسلام کا نظام قانون۔ مرتبہ غلام علی

ترجمہ عبدالقادر عودہ شہیدؒ

عدل کا حق وہ حق ہے جس میں دشمنی بھی مانع نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کا فرمان اسی میں ہے۔

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین

ڈاکٹر حافظ عبدالغفور
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

ساز کی تال گت کے ساتھ انسان کی جسمانی حرکات جو فنی، تفریحی یا جسمانی کثرت کا ذریعہ ہوں، ناچ اور راگ انسان کے خمیر میں ہیں۔ اور ہر قوم اور ملک میں کسی نہ کسی شکل میں ان کا رواج ہے۔

یورپ نے اس فن کو کمال تک پہنچایا ہے۔ اور فنی اور تفریحی حیثیت کے علاوہ کثرتی پہلو پر زور دیا ہے۔ رقص سے جسم کی دلفریب حرکات کو آلات موسیقی کی گت یا انسانی راگ کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔ اور یورپ میں شوقیہ یا پیشہ ورانہ حیثیت سے عام ہیں۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں اس فن کی بے شمار درسگاہیں ہیں۔ قدیم زمانہ میں یہ مذہبی مشغلہ تھا۔ اور مندروں تک محدود تھا[1]

بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ رقص ایک حماقت ہے[2] اور قرآن کریم میں بھی رقص کی قطعی طور پر ممانعت کی گئی ہے ارشاد ہے "ولا تمش فی الارض مرحاً"[3] یعنی زمین پر خوش ہوتا ہوا اکڑ کر نہ چل۔ اللہ تعالیٰ نے مختال یعنی اترا کر چلنے والے کی مذمت فرمائی۔ اور رقص اترانے کی انتہائی شکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا[4]

مسموعات میں سے اولیٰ ترین اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام مسلمان اس کے سماع پر مامور ہیں قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ طبیعت اس کے پڑھنے اور سننے سے نہیں اکتاتی۔ اس میں عظیم اثر موجود ہے اور اس کی سحر انگیزی تاریخی

---

۱ اردو انسائیکلو پیڈیا ص ۷۳۰

۲ تلبیس ابلیس ص ۱۱۸ از امام حافظ جمال الدین عبدالرحمن ابن الجوزی مترجم اردو علامہ ابو محمد عبدالحق

۳ القرآن الکریم سورہ ۱۷ : ۳۷

۴ تفسیر معارف القرآن ص ۳۹ ج ۷

مسلمات میں سے ہے۔ پس مومن کی شایانِ شان یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے سماع سے لذت حاصل کرتا ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قاری قرآن پڑھتا تھا۔ صحابہ کرامؓ سنتے تھے اور آپ کا بھی ایسی مجالس
میں موجود ہونا ثابت ہے[1] حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

"حسنو القرآن با صواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً"[2]

یعنی قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوشنما بنایا کرو۔ کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوبی بڑھتی ہے اس
حدیث میں اچھی آواز کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ شعر سننا بھی مباح ہے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے شعر بھی سنے ہیں۔ اور سنانے والے کی تعریف بھی بیان کی ہے[3]

اس بات میں بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے آپ نے
انھیں سنا۔ اور آپ نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جب خوش الحانی کے بغیر اشعار کا سننا جائز قرار دیا۔ تو الحان
کے ساتھ سننے سے اس کے حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی یہ تو ظاہری حال ہے۔ مزید برآں جو الحان سننے
والے کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی پوری رغبت دلائیں۔ اور اسے یاد دلائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے
لئے کیا کیا درجات مہیا کر رکھے ہیں۔ اور اسے لغزشوں سے بچنے پر مجبور کریں اور اس کے دل پر نیک و پاک
واردات کا موجب بنیں۔ تو وہ دین میں مستحب سمجھے جاتے ہیں اور شرع میں پسندیدہ کہلاتے ہیں[4]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہترین شاعر اور قصیدہ خوان حضرات حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ
تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مشرکین کی ہجو بیان کرتے تھے اور اسلام کی صفات اشعار کے ذریعے
لوگوں کو تک پہنچاتے۔ شعر کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ

" کلام حسنه حسنٌ وقبیحه قبیحٌ"[5]

یعنی یہ ایک کلام ہے۔ اسکا اچھا اچھا ہے اور برا برا ہے۔

سلف اور اکابر نے بھی الحان کے ساتھ شعر سنے اور پڑھے ہیں حضور نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
کے متعلق فرمایا انھیں آل داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے (یعنی خدا نے انھیں عمدہ آواز دی ہے)
بہر کیف جن باتوں کو نثر میں سننا حلال ہے تو انہی باتوں کا نظم میں بھی سن لینا حلال ہے اور جن کا نثر میں سننا

۱۔ (i) مشکوۃ شریف کتاب فضائل القرآن الفصل الاول حدیث ۸۰۔
(ii) کشف المحجوب ص ۴۷۷ از علی بن عثمان ہجویری

۲۔ الدارمی کتاب فضائل القرآن حدیث ۳۴۷

۳۔ مشکوۃ شریف باب البیان والشعر الفصل الاول حدیث ۳۔۵

۴۔ رسالہ قشیریہ ص ۵۱۶ از امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری

۵۔ مشکوۃ شریف۔ باب البیان والشعر الفصل الثالث حدیث ۳

حرام ہے ان کا نظم میں بھی سننا حرام ہے۔ اگر ایسی نظمیں پڑھی جائیں جن میں ایمان توجہ الی اللہ اور اعمال کی ترغیب اور فسق و فجور سے اجتناب کرنے کا حکم ہو۔ تو ایسی نظم خوانی کی احادیث سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ جن نظموں سے نفسانی خواہشات میں ہیجان پیدا ہونے اور فسق و فجور کی جانب مائل ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی نظموں کا مضر ہونا بھی اظہر من الشمس ہے اور ان کے سماع کی حرمت میں صوفیائے کرام اور علمائے حق میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت فقیر اللہ شاہ شکار پوری (المتوفی ۱۱۹۵ھ) لکھتے ہیں کہ

"اگر سماع، سماع قرآن و موعظہ باشد۔ جائز و مستحب است۔ و اگر سماع غنا باشد حرام است چہ غنا و سماع غنا حرام است" [۱]

ترجمہ:۔ اگر قرآن کریم اور وعظ و نصیحت پر مشتمل سماع ہو تو یہ سماع جائز اور مستحب ہے اور اگر غنا (سرود) ہو تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ غنا اور سماع غنا حرام ہے۔

اسی طرح امام ابو بکر کلاباذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ سماع وہ ہے۔ جو فکر کے لئے سمجھ کا کام کرے۔ اور جس سے انسان عبرت حاصل کرے۔ اس کے علاوہ جو بھی سماع ہے وہ آزمائش اور فتنہ ہے [۲]

کیونکہ سماع حق تعالیٰ کی طرف سے ایک وارد ہونے والی کیفیت ہے۔ جو دلوں کو بے چین کرکے حق تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ جو حق طریقہ پر اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ حقیقت کو پالیتا ہے اور جو اپنے نفس سے اسکی طرف کان لگاتا ہے۔ وہ زندیق ہو جاتا ہے۔ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب راگ کا ساز و سامان نہ ہو۔ اور آواز کے سننے سے دل میں فسق پیدا ہو جانے کا ڈر نہ ہو تو ایسا سماع مباح ہے۔ مگر جہاں تک آجکل کی مروجہ موسیقی اور ساز و آواز کی محافل کا تعلق ہے جن میں محبوب کے قد و رخسار کا ذکر اور عورتوں کی تعریف ہو ایسے سماع کا صوفیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ سے جملہ آلات غنا و مزامیر کی حرمت صاف صاف ثابت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی محفلوں میں دیندار اور صوفیاء حضرات کا سننا تو کیا، گزر تک بھی ناممکن ہے [۳] جو آدمی راگ سننے پر ملاومت کرے اس کی شہادت مردود اور عدالت باطل ہے [۴]

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سماع کی دو مشہور قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں علم اور ثبات ہوش دونوں کی شرط ضروری ہے۔ لہذا اس قسم کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اسماء اور صفات کو جانتا ہو۔ ورنہ وہ کفر میں مبتلا ہو گا۔

دوسری قسم حال اور کیفیت کی شرط کے ساتھ سماع کی ہے۔ اس قسم کے شخص کے لئے ضروری ہے

---

[۱] مکتوبات فقیر اللہ شاہ شکار پوری۔ مکتوب ع ۸

[۲] تعرف (عربی) ص ۱۶۰ از امام ابو بکر کلاباذی

[۳] عوارف المعارف ص ۲۲۹ اردو ترجمہ از سید رشید احمد

[۴] تلبیس ابلیس ص ۳

کہ وہ حالت بشری سے فنا ہو چکا ہو۔ اور احکام حقیقت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ نفس کے آثار سے پاک ہو۔[1]

بعض صوفیائے محققین سے سماع کے مفید ہونے کے بارے میں جو اقوال منقول ہیں۔ اس سے وہ سماع مراد ہے جو آلات موسیقی اور دوسرے منکرات سے خالی ہو اور جس کا مقصد پند و نصیحت اور خدا و رسول کی محبت کا احساس پیدا کرنا ہو۔ اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے بیان کردہ آداب و شرائط کے حدود کے اندر ہو۔ پھر ایسے سماع کے بارے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے البتہ بعد میں گمراہ اور نفس پرست قسم کے لوگوں نے ان کے اقوال کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ ان کے مقرر کردہ آداب و شرائط کو نظرانداز کر کے سماع کی غلط ترجمانی کی۔ اور وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کرنے لگے۔ اس لئے بعض علمائے کرام نے سماع کو دفع خطرات کے لئے مفید قرار دیا ہے۔ البتہ کثرتِ سماع قساوتِ قلبی اور پریشان حالی کا سبب ہو سکتی ہے لہذا سالک کو کبھی کبھی حلال سماع سننا چاہیئے[2]

علماء نے اس برائی کے سدباب کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔ اور عوام الناس کو اس فتنہ سے بچانے کی خاطر نہایت سختی سے سماع کی تردید کی۔ چنانچہ مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"سماع اور رقص فی الحقیقت لہو ولعب میں داخل ہیں۔ احادیث اور فقہی روایات غنا کی حرمت کے بارے میں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا گننا مشکل ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص حدیث منسوخ کو سرور کی اباحت میں پیش کرتا ہے۔ تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ کسی فقیہہ نے کسی وقت اور کسی زمانے میں سرور کی اباحت کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور رقص و سرور کو جائز نہیں کیا ہے۔ اور صوفیہ کا عمل وحدت کے سلسلے میں مستند نہیں۔ یہاں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ ابو بکر شبلی (المتوفی ۳۳۴ھ) اور ابوحسن نوری (المتوفی ۲۹۵ھ) کا عمل۔ ان دونوں صوفیاء نے اس عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرور کو اپنا دین و ملت بنایا ہے۔ جو شخص فعل حرام کو اچھا سمجھتا ہے۔ وہ زمرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور مرتد ہے۔ پس خیال کرنا چاہیئے کہ مجلس سماع کا احترام کرنا بلکہ اس کو عبادت و طاعت سمجھنا کس قدر بڑی خرابی ہے"[3]

حضرت مجدد موصوف فرماتے ہیں کہ چونکہ اس وقت شرائط و آداب سماع مفقود ہیں لہذا ایسا بلا آداب و شرائط سماع قطعاً مفید نہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"شرائط سماع کہ اکثر آنہا در ابنائے این وقت مفقود است۔ بلکہ این قسم سماع و

---

[1] رسالہ قشیریہ ص ۵۲۴

[2] مرآۃ العاشقین ص ۲۴۴ از سید محمد سعید اردو ترجمہ صاحبزادہ غلام نظام الدین

[3] مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ مکتوبات ۲۶۶ دفتر اول حصہ ۴

رقص کہ درین وقت شائع شدہ است۔ واین نوع اجتماع کہ درین اوان متعارف گشتہ است۔ شک نیست کہ مضر است و منافی عروج در آن معنی نہ دارد۔ وصعود دران صورت متصور نیست۔ امداد و اعانت از سماع درین محل مفقود است،، [1]

ترجمہ: " سماع کی شرائط اس وقت کے زمانہ میں مفقود ہیں۔ بلکہ جس قسم کے سماع اور رقص اس وقت شائع ہے۔ اور جس قسم کا اجتماع آجکل متعارف ہو چکا ہے۔ بلاشبہ مضر ہے۔ اور ترقی کے منافی ہے۔ اس میں وہ حقیقت نہیں پائی جاتی اور اس میں عروج کی شکل ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور اس مقام میں سماع سے امداد اور اعانت کا حصول مفقود ہے"۔

مطلب یہ ہوا کہ شریعت اور طریقت میں رقص و غنا کے لئے کوئی سند موجود نہیں اور نہ ہی اہل عقل اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح رقص و غنا کے ذریعے جو حال پیدا ہو وہ خبیث ہے۔

محققین صوفیائے کرام کے نزدیک رقص و سرود اور اس کا ساز و سامان شیطانی امور ہیں۔ اور شریعت اسلامی میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہم السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو ان کو ایسی خوش الحانی عطا کی۔ کہ ان کی آواز سے پہاڑ بھی نرم ہو کر بہہ جاتے، یہاں تک کہ وحشی جانور ان کی آواز پر جمع ہوتے تھے، اور پرندے اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، یہ دیکھ کر شیطان بے قرار ہوا، اس نے بانسری اور طنبور بنایا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس کے بالمقابل اپنی مجلس جمائی، لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، یعنی اہل شقاوت اور اہل سعادت اہل شقاوت شیطان کے ساز و طنبور کی طرف مائل ہوتے تھے۔ اور ہوتے رہیں گے۔ اور اہل سعادت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف مائل ہوتے گئے اور مائل ہوتے رہیں گے پس جان لینا چاہیئے کہ شریعت و طریقت میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیونکہ رقص جب وجد کے ساتھ ہو تو تمام عقلا کے نزدیک سہو ہوتا ہے۔ اور مشائخ میں سے کسی نے بھی اس کو اچھا نہیں سمجھا اور نہ ہی اس میں انھوں نے غلو سے کام لیا ہے اور "بھرتی شدہ" صوفی پر اثر کو جو اس بارے میں پیش کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں [2]

مشائخ کرام اور روحانی پیشواؤں کے لئے رقص کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس میں لہو و لعب کے ساتھ مشابہت ہے، جو ان کے منصب اور سنجیدگی کے شایانِ شان نہیں [3]

حضرت فقیر اللہ شاہ شکار پوری فرماتے ہیں

" سرود کردن و رقص نمودن حرام است، و فتنہ از عامہ مومنان صورت گیرد۔ در ذخیرہ آوردہ است کہ رقص کردن گناہِ کبیرہ است۔ و از بعض مشائخ کہ رقص

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ مکتوب ۲۸۵ دفتر اول حصہ ۵

[2] کشف المحجوب ص ۴۵۸، ۴۷۹

[3] عوارف المعارف ص ۲۲۲

سرزدہ است حرکت او درحالت سماع مثل حرکت مرتمش بود"[1]

ترجمہ: سرود رقص حرام ہے۔ اور (چاہیئے) کہ یہ فتنہ عام مومنین سے ختم ہو جائے ذخیرہ میں آیا ہے کہ رقص کرنا کبیرہ ہے۔ اور جو بعض مشائخ سے رقص سرزد ہوا ہے حالت سماع میں اس کی حرکت مرتمش کی حرکت کے مشابہ ہے"

اسی طرح غنا دل کو خراب اور خدا کو ناراض کرتا ہے۔ غنا شہوت کو بڑھاتا ہے۔ اور آدمیت کی بنیاد ڈھاتا ہے یہ شراب کے قائم مقام ہے۔ اور نشے کا عمل کرتا ہے۔[2]

جہلا صوفیاء نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ عورتوں کا یا آلات کے ساتھ گانا سنتے ہیں[3] حدیث شریف میں دونوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔[4]

سماع کے آداب و شرائط:

صوفیائے کرام نے سماع کے لئے جو آداب و شرائط بیان کئے ہیں۔ وہ نہایت واضح ہیں۔ اگر یہ شرائط موجود ہیں۔ تو سماع جائز ہے شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) سماع بالمزامیر نہ ہو۔ یعنی راگ کا ساز و سامان موجود نہ ہو۔
(۲) آواز سے دل میں فسق و فجور پیدا ہونے کا ڈر نہ ہو۔
(۳) محفل سماع کے سب شرکاء صوفی ہوں یہاں تک کہ قوال بھی فاسق نہ ہوں۔
(۴) سماع کا مقصد عبادت اور نیک کاموں کی ترغیب دلانا ہو۔
(۵) عورت تو درکنار نو عمر لڑکے بھی سماع میں موجود نہ ہوں۔
(۶) سماع کی جگہ عوام سے خالی ہو۔ کیونکہ عوام الناس کے لئے اس کا سننا حرام ہے۔
(۷) سماع کو اپنی عادت نہ بنایا جائے۔
(۸) سماع کرنے والا شریعت کا احترام کرنے والا ہو اور اپنی خواہشات اور فضولیات میں بہہ جانے والا نہ ہو۔
(۹) پیر و مرشد سماع کے وقت موجود ہو اور اہل دنیا اور مبتدع محفل سماع میں موجود نہ ہوں۔
(۱۰) امام غزالی نے اس کے علاوہ تین شرائط بیان کیں ہیں۔

(۱) زمان[1] (۲) مکان[2] (۳) اخوان[3] [5]

---

[1] مکتوبات فقیر اللہ شاہ شکارپوری مکتوب ۸۵

[2] مقالات الاسلامیین (عربی) ص ۲۰۲ از ابوالحسن الاشعری

[3] فتاویٰ عبدالحیؒ ص ۵۴۲ اردو ترجمہ مولانا خورشید عالم صاحب، فاضل دیوبند

[4] مشکوٰۃ شریف، حدیث ۴۲۳ باب الشرائط السماعۃ الفصل الثالث

[5] پروردگار نے انسان کی تخلیق صرف عبادت کے لئے کی ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

مندرجہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھ کر جائز و ناجائز سماع کا تعین آسان ہوجاتا ہے۔ اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صوفیائے کرام سماع سے کیا مراد لیتے ہیں اور ان کے نزدیک سماع کا نصب العین کیا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (ہم نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا) لیکن چونکہ انسان مکلف مخلوق ہے۔ عقل کے ساتھ ساتھ خواہشیں بھی دی گئی ہے۔ اس لئے عبادت کے لئے خاص اوقات مقرر کئے گئے تاکہ انسان حوائج بشری بھی پورے کرسکے۔ اب حوائج بشری میں قلبی میلان بھی داخل ہے۔ لہذا ایک انسان جو قوالی کا خوگر ہو۔ تو وہ قوالی اس شرط پر کرسکتا ہے کہ وہ وقت (زمان) فرائض یا واجبات وغیرہ کا نہ ہو۔

۲ــہ بعض امور نہایت ہی پرکشش ہوتے ہیں۔ منجملہ پرکشش اموروں سے ایک قوالی بھی ہے۔ لہذا اس کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیئے کہ عام راہرو مسافر کا گذر نہ ہوسکے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک مسافر اس کی تاثیر کی وجہ سے اپنے مقصد میں کوتاہی برتے۔ جس کے لئے سفر شروع کیا تھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "السفر قطعۃ من السقر" سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔ چونکہ دوسروں کے لئے گناہ کا باعث بننا جرم ہے۔ اس لئے برسرِ عام قوالی کا انعقاد صحیح نہیں ہے۔

۳ــہ تمام شرکاء ہم مسلک و ہم مشرب ہونے چاہیئے۔ یعنی ایک پیر کے مرید ہوں۔ اس لئے کہ ہم مشرب لوگوں میں غلط فہمی نہیں ہوتی اگر تمام شرکاء ہم مذاق نہ ہوں۔ تو گڑبڑ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے ایک شرط یہ کہ ہم مذاق لوگ ہوں۔

۴ــہ کیمیائے سعادت ص ۲۹۰ امام غزالیؒ۔

غلطی کے بعد توبہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ "ہر ابنِ آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔"

مطلب یہ کہ خطا تو ہر آدمی سے ہو ہی جاتی ہے۔ انسان خطا کا پُتلا ہے لیکن خطا پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے' اس لئے فرمایا کہ سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو بکثرت توبہ کرنے والے ہوں' راز اس کا یہ ہے کہ توبہ و انابت الی اللہ عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے' پس جب بندہ خطا و گناہ کے بعد توبہ و استغفار کرتا ہے اور اُسے رجوع الی اللہ کی توفیق ہوجاتی ہے تو اس کی برکت سے حق تعالیٰ جل شانہٗ نہ صرف اس کا گناہ معاف فرما دیتے ہیں بلکہ اس پر مزید لطف و انعام بھی فرماتے ہیں۔

ایک بندۂ خدا

مولانا مشرف علی تھانوی صاحب
مہتمم دار العلوم اسلامیہ لاہور

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

اپریل ۱۹۸۲ء سے دار العلوم الاسلامیہ لاہور کی خدمات احقر کے سپرد کی گئی ہیں اس وقت دار العلوم کے تعلیمی حالات کیا تھے؟ مالی طور پر اس کو کس قدر استحکام حاصل تھا طلباء اور اساتذہ کی تعداد کیا تھی یہ باتیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اور اب الحمدللہ دار العلوم تعلیمی، تعمیری، تدریسی اور انتظامی طور پر کن مدارج پر فائز ہے وہ بھی مخفی نہیں ہر وقت مشاہدہ کیا جا سکتا ہے

دار العلوم کی اس ترقی میں جہاں اساتذہ اور انتظامی عملہ کی ان تھک محنت کو دخل ہے وہاں اس بات پر بھی مجھے فخر ہے اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ترقی عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب مدظلہم[1] کی دعاؤں کا ثمرہ اور حق تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

اس عرصہ میں دار العلوم میں ملک و بیرون ملک کے متعدد علماء و مشائخ تشریف لا کر معاینہ فرما چکے ہیں جن میں سے بعض کے تاثرات الحمدللہ شائع بھی ہو چکے ہیں

[1] یہ سطور اس وقت لکھی گئی تھیں جب حضرتؒ کے ساتھ "مدظلہم" لکھا جاتا تھا اور اس وقت شائع ہو رہی ہیں جب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" لکھا جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہرصورت ان الفاظ کو تبدیل کرنے پر دل آمادہ نہ ہوا۔ ادارہ

میری دلی تمنا اور آرزو تھی کہ میرے شیخ و مربی حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب دامت فیوضہم
بھی کسی وقت دار العلوم میں رونق افروز ہو کر بچشم خود دار العلوم کا معاینہ فرمائیں اور ناچیز اور
دار العلوم کے طلباء، اساتذہ و ملازمین کو اپنی نصائح اور دعاؤں سے بہرہ ور فرمائیں۔

مقام شکر ہے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے بیٹے ڈاکٹر
انوار الحق سلمۂ کی تقریب نکاح میں شرکت کے لئے جنرل صاحب کی دعوت پر حضرت ڈاکٹر
صاحب دامت فیوضہم ۲۴ دسمبر ۸۵ئہ کو لاہور تشریف لائے۔ ناچیز اس زمانہ میں
دار الاقامہ کی تعمیر کے سلسلہ میں احباب سے ملاقات کے لئے کراچی گیا ہوا تھا جب یہ
معلوم ہوا کہ حضرت لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ کام چھوڑ کر ۲۴ دسمبر کی شام کو
لاہور پہنچ گیا۔ الحمد للہ وہ وقت آگیا جب ناچیز کی دیرینہ خواہش لباس تکمیل پہن رہی
تھی وہ خواب جس کی تعبیر بظاہر ناممکن نظر آتی تھی آج شرمندۂ تعبیر ہو رہا تھا۔

۲۵ دسمبر ۱۹۸۵ئہ کو صبح ۱۰ بجے حضرت اقدس دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ
اقبال ٹاؤن میں رونق افروز ہوئے کتب خانہ میں قیام فرمایا طلباء و اساتذہ اور ملازمین کو
شرف ملاقات حاصل ہوا۔ حضرت اقدس کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی سفر کی تکان بھی
تھی اور ضعف طبعی اور پیرانہ سالی تو ہے ہی مگر دار العلوم میں تشریف لانے کے بعد طبیعت
پر غایت فرحت و انبساط کے آثار نمایاں تھے۔ طلباء اور اساتذہ شمع کے گرد پروانوں
کی طرح جمع تھے مشتاقانہ سراپا گوش بلب تھے۔ حضرت اقدس نے اساتذہ و طلباء
سے خیریت دریافت کرنے کے بعد چند نصائح فرمائیں اگرچہ باقاعدہ مجلس کا پروگرام نہیں
تھا اس لئے باہر کے احباب کو اطلاع بھی نہیں کی گئی تھی تاہم الحمد للہ علوم و معرفت
کا یہ سمندر نہایت ہی دل سوز انداز میں ایک بصیرت افروز خطاب کے ذریعہ علوم
و معرفت کے خزائن اساتذہ و طلباء کو تقسیم کرتا رہا اور بقدر ظرف ہر شخص بہرہ ور ہوتا رہا۔
یہ مجلس تقریباً ایک گھنٹہ بیس منٹ جاری رہی۔

ہم اس مجلس کے جواہر پارے در طۂ تحریر میں لا کر دار العلوم کے احباب کے لئے
خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لئے عموماً فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کرنا اپنی سعادت
سمجھتے ہیں۔

مشرف علی تھانوی
مہتمم دار العلوم الاسلامیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک، مختصر خطبہ تلاوت فرماکر حضرت اقدس نے سب سے پہلے تمام احباب کی خیریت دریافت فرمائی اس کے بعد

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اس علمی گہوارہ میں جمع ہونے کا شرف عطا فرمایا اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیجئے۔

(۲) فرمایا عالم کو جب تک اپنے علم کا احساس رہے کہ میں کچھ جانتا ہوں تو وہ مختلف فتنوں کے جال، میں پھنسا رہتا ہے اور جب یہ احساس ہو جائے کہ میں کچھ نہیں جانتا تو وہ کامل ہو جاتا ہے۔

(۳) فرمایا۔ یہ مدارس قائم کرنا ایک رسم بنا ہوا ہے یہ احساس نہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے اور ان کا مقصد کیا ہے۔ عام طور پر اس طرف توجہ نہیں۔ مدارس کی غایت دین کی اشاعت ہے تدریساً ہو یا تبلیغاً دین کی اشاعت مقصود اصلی ہے ہمیں اس کا حق ادا کرنا ہے۔

(۴) فرمایا ایک مرتبہ میرے ذہن میں آیا کہ حق تعالیٰ نے سب سے پہلے خطاب فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا ہے بِالٰھِکُم نہیں فرمایا کیونکہ لفظ رب میں تربیت کا مفہوم اور تربیت محبت کے بغیر ہو نہیں سکتی تو سب سے اول خطاب میں ایسے لفظ سے روشناس کرایا جس میں محبت کا راز مضمر ہے۔ اس لفظ سے حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے تعلقات سے انسان کو واسطہ پڑے گا وہ سب محبت کے تعلقات ہیں۔ ماں باپ کا رشتہ ہے، استاذ کا رشتہ ہے، پیر کا رشتہ نبی اور پیغمبر کا رشتہ اور حق تعالیٰ کا رشتہ ہے۔ سب کا مدار محبت پر ہے لفظ رب میں محبت کے راز سے آشنا کرایا اس کے بعد محبت کے حقوق ادا کرنا آشنا ہو جائے گا اور ہر رشتہ میں کامیابی کا مدار محبت کا حق ادا کرنے پر ہے۔

(۵) فرمایا مدارس میں یہ جو کچھ پڑھ رہے ہو اس کا مصرف کیا ہے؟ سند مل گئی تو کیا کرو گے؟ اس کا مقصد یہی ہے اشاعت دین اور تبلیغ دین تو وہ قولاً ہو یا عملاً۔

اگر اشاعت اور تبلیغ دین نہ کیا تو سب کچھ بے مقصد ہے لاحاصل ہے۔

(۶) فرمایا ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں علماء کی بہت قدر کرتا ہوں خواہ وہ میرے موافق ہیں یا مخالف ہیں۔ علماء کی مخالفت کی وجہ سے کبھی ان کی ناقدری نہیں کرتا۔ فرمایا اگر تمام علماء مل کر مجھ پر کفر کے فتوے لگائیں تو میں پھر بھی علماء کی عزت کرتا ہوں رہا مجھ پر کفر کا فتویٰ، تو میں پڑھتا ہوں
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

میں محض ان فتووں کی بنا پر علماء کی توہین کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

(۷) فرمایا میں تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس کریں کہ کتنا بڑا سرمایہ حاصل کر رہے ہیں! مگر اس کو عمل میں داخل کر لیں بغیر عمل کے علم کبھی انسان کو برباد کر دیتا ہے انا عالم کہنے سے کبھی انسان برباد ہو جاتا ہے۔ شیطان نے انسان کے مقابلہ میں انا خیر کہا تھا شیطان کا انا خیر کہنا

اور انسان کا انا عالم کہنا ایک ہی ہے۔

(۸) فرمایا علم حاصل کرنے کا مقصد اگر محض دنیا حاصل ہے تو اس سے تم عالم تو بن جاؤ گے مگر شیطان سے بڑے عالم نہیں بن سکتے شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے بلکہ بہت بڑا عارف بھی ہے۔

(۹) فرمایا شیطان کو تین عین حاصل ہیں۔ عالم بھی ہے۔ عابد بھی ہے اور عارف بھی ہے۔ بلکہ عالم ایسا ہے کہ معلم الملکوت رہا اور عابد ایسا کہ ہزاروں سال سجدہ میں پڑا رہا اور عارف ایسا کہ اس کو پوری طرح عرفان حاصل ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات انفعالات سے پاک اور مبرا ہے وہ عین حالت غضب میں بھی رحمت کرنے پر قادر ہے۔ اسی لئے عین غضب کے وقت جب اس کو دھتکارا جا رہا ہے فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ۔ کہا جا رہا ہے وہ اسی وقت درخواست کرتا ہے۔ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ (اے میرے رب مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دیدیجئے) اور حق تعالیٰ بھی فرما رہے ہیں فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ کہ جا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ شیطان میں یہ تین عین تو ہیں مگر چوتھا عین نہیں ہے عاشق نہیں۔ معلوم ہوا علم، عبادت اور عرفان کا حق عشق و محبت کے بعد ہی ادا ہوتا ہے۔

(۱۰) فرمایا علم حاصل کرنے کا ذریعہ بے شک درس و تدریس ہے مگر محبت حاصل کرنے کا ذریعہ اخلاقیات ہیں تزکیۂ نفس ہے، بغیر تزکیۂ نفس کے محبت حاصل نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے علم کے مقتضا پر عمل نہیں ہوتا۔ دیکھئے مجدد الف ثانیؒ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود تزکیۂ اخلاق کے لئے شیخ باقی باللہ کے پاس گئے۔ جب گئے تو سمجھتے تھے کہ ان کے پاس کیا ہے۔ مگر جب کچھ عرصہ رہے تو یقین ہو گیا کہ جو ان کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

(۱۱) فرمایا محبت حاصل کرنے کا طریقہ ہے کہ اللہ والوں سے محبت کرو۔

(۱۲) فرمایا نماز پڑھتے ہیں تو اس کے بعد ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں؟ نماز تو خود سراپا مناجات ہے وجہ یہ ہے کہ نماز حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اور دعا، حق تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ نماز پڑھ لی تو حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کر دیا۔ عظمت کا حق ادا کر دیا تو حق تعالیٰ نے اجازت دی کہ اب اللہ کی محبت کا حق ادا کر دو تو بندہ اللہ کے حضور ہاتھ اٹھاتا ہے۔

(۱۳) فرمایا یہ ہاتھ کون اٹھوا رہا ہے؟ حق تعالیٰ اٹھوا رہے ہیں یہ ان کی محبت کا حق ہے بعض لوگ ہاتھ اٹھا کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محروم ہیں انھوں نے کچھ مانگا ہی نہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ ہاتھ کس نے اٹھوائے ہیں۔ وہ ہماری حاجتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، ہاتھ اٹھانے والا زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے اس نے ہاتھ اٹھا کر حق تعالیٰ کی محبت کا حق ادا کر دیا ہے کیسے ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ خالی رہ جائیں۔

(۱۴) فرمایا مدارس کی روح دین و شریعت ہے جو توکل و قناعت کے ساتھ چلتی ہے ایک مدرسہ والوں

نے ایک مرتبہ مدرسہ کے اراکین کی فہرست حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی جس میں ایک رئیس خان صاحب کا نام تھا اس کو دیکھ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ ان کو رکن بنانے کی کیا مصلحت ہے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ رئیس ہیں ان کی رکنیت کی وجہ سے مالی اعانت کی توقع ہے یہ سن کر حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ایسے مدرسہ کو بند کر دیجئے جس میں غیر اللہ پر نظر ہو۔ ہم تو مدرسہ اس کو سمجھتے ہیں جس میں ہر وقت اللہ پر اور اس کے دین و شریعت پر نظر ہو ہم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی کہ ہم مدرسہ ضرور چلائیں۔

(۱۵) فرمایا علم دانستن کا نام نہیں فہمیدن کا نام نہیں بلکہ تعمیلاً کا نام ہے یعنی عمل کی تشنگی لے کر پڑھو گے تب علم سے فائدہ ہوگا۔

(۱۶) فرمایا کتاب کھول کر درس بیان کر دینا مناسب نہیں بلکہ پہلے غور کرو کہ میں خود اس علم کا محتاج ہوں جو علم دوسروں کو پہنچانے کے لئے بیٹھا ہوں اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پر احسان ہے جس نے کتاب لکھ کر یہ علم ہم تک پہنچایا ہے۔

(۱۷) فرمایا آسمانی یا زمینی آفات کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ حال ہی میں کراچی میں پے بہ پے تین زلزلے آچکے ہیں یہ زلزلے کیوں آرہے ہیں کبھی غور کیا؟ گھر گھر میں بے حیائی ہے۔ ریڈیو، ٹیلیویژن ہیں، گریبان کھولے ہوئے عورتیں بے محابا چل رہی ہیں یہ قاعدہ تو مسلمہ ہے عمل اور رد عمل۔

(۱۸) فرمایا زلزلے تو آئیں گے مگر یونس علیہ السلام کی سنت کو پیش نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دیدی تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے بعد یقین میں کوئی تردد نہیں تھا یونس علیہ السلام یہ سوچ کر کہ جبتک میں اس قوم میں ہوں اس پر عذاب نہیں آئے گا اور اب عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے عذاب آنا بھی یقینی ہے خود بستی سے باہر نکل گئے قوم نے جب دیکھا کہ نبی اور پیغمبر بستی چھوڑ کر چلے گئے قوم کو عذاب کا یقین ہوگیا پوری قوم نے استغفار کیا۔ عذاب کی خبر آنے کے باوجود عذاب نہیں آیا۔ آج بھی تو بہ استغفار سے کام لیجئے عذاب نہیں آئے گا۔

(۱۹) فرمایا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے اور دینے سے چیز گھٹتی نہیں بڑھتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ دیتی جاؤ بڑھتا جائے گا۔ یہ بات صرف مال سے متعلق نہیں علم بھی جتنا دیتے جاؤ گے بڑھتا جائے گا نہیں دو گے تو نہیں بڑھے گا۔

(۲۰) فرمایا علم میں لوگ سرقہ بھی کرتے ہیں ہر سرقہ برا نہیں —— فرمایا ایک شاعر نے ایک بہت اچھا سرقہ ایک شعر میں بیان کیا ہے فرمایا یہ شاعر بھی عجیب لوگ ہیں ایک شاعر کا شعر ہے

بیند چو کسے سوئے تو دیدم سر راہش
تا ذوق تماشائے تو دزدم زنگاہش

(۲۱) فرمایا محبت کا حق ادا ہوتا ہے اطاعت سے اور اطاعت کا جزو اعظم ہے محبت (محبت بغیر اطاعت

کے اور اطاعت بغیر محبت کے بے معنی ہے)

(۲۲) فرمایا اہل اللہ کی معیت تھوڑی دیر کے لئے بھی اگر میسر آجائے تو اس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے یہ بہت ہی قدر کی چیز ہے ایک شاعر نے خوب کہا ہے

لطف سے باغ جہاں میں صورت شبنم ہے
ایک ہی شب گو رہے لیکن گلوں میں ہم رہے

(۲۳) فرمایا صحابہ کرام ایسا گروہ تھے کہ عالم امکان میں نہ ایسا گروہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(۲۴) فرمایا مقام عبدیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو استغفار کرو۔

اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہم نے دس منٹ تک نہایت دل سوزی سے مدرسہ کے لئے اور تمام طلبا و اساتذہ، منتظمین اور حاضرین مجلس کے لئے دعائیں فرمائی اور چند لمحوں میں یہ مجلس ختم ہو گئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

قاری محمد ادریس خان

دنیا کے مذاہب میں عورت کا مقام

پاکستان کی بعض خواتین میں آجکل اسلام سے دوری اور مغربی تہذیب کے قرب کا رجحان پایا جارہا ہے کیا یہ صحیح رجحان ہے؟ اس سوال کا جواب تو صاحبانِ علم وحکمت ہی دے سکتے ہیں لیکن ایسی خواتین کی خدمت میں جنھیں مغربی تہذیب اپنی نجات کا واحد ذریعہ نظر آتی ہے۔ اور جنھیں اسلامی قوانین میں اپنی تضحیک کا پہلو نظر آتا ہے۔ دنیا کے مذاہب میں ان کا کیا مقام ہے ایک مختصر جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

"شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات"

عیسائیت. جو دنیا کے تین چار بڑے مذاہب میں سے ایک ہے اس کے نزدیک عورت ایک ناپاک اور گناہوں کا ذریعہ وجود ہے۔ اس نے ہی آدم ؑ کو جنت سے نکلوایا اور دنیا کی محنت و مشقت والی زندگی میں لا پھنسایا۔ اس لئے اس سے جتنا بھی دور رہا جائے، اتنا ہی انسان کی نجات و فلاح کے لئے بہتر ہے۔ اسی نظریہ کے تحت عیسائیت میں رہبانیت کو افضل عبادات میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرجاؤں اور خانقاہوں میں راہب اور راہبات ہی نظر آتے ہیں، جنھیں تمام عیسائی مقدس باپ (HOLY FATHER) وغیرہ کے نام سے موسوم کرکے عزت واحترام کے اعلیٰ مقام پر بٹھاتے ہیں۔

ہندو مت میں عورت کو ایک گھٹیا مخلوق اور مرد کی غلام اور اس کی باندی تصور کیا جاتا ہے یعنی عورت کی اپنی شخصیت اور اپنی ہستی کچھ نہیں ہے، وہ جو کچھ ہے مرد کے طفیل یا مرد کی نسبت سے ہے۔ اس کی جان اپنی جان نہیں، اس کی کوئی عزت وآبرو نہیں۔ اس کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں۔ یہی وہ تصور تھا جس کی وجہ سے قدیم ہندوستان میں "ستی" کی رسم یعنی خاوند کی موت پر بیوی بھی مرد کے ساتھ زندہ جلادی جاتی تھی۔ گویا خاوند کی زندگی کے ساتھ بیوی کی زندگی وابستہ تھی اس کی علیحدہ کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔ اگر شوہر زندہ نہیں رہا تو عورت کو بھی جینے کا کوئی حق نہیں

اس طرح عورت مرد کی رفیقِ حیات کے ساتھ رفیقِ موت بھی زبردستی بنا دی گئی۔

موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ مغربی اقوام نے عورت کو کوئی معزز اور مقدس مقام نہیں دیا بلکہ اسے مرد کی دِل لگی کا سامان اور خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنایا اور اسے آزادیِ نسواں اور مساوات مرد و زن کے نظریات دے کر گھریلو اور بیرونِ خانہ معاشی ذمہ داریوں کا دوہرا بوجھ اس بیچاری ضعیف، نازک و کمزور مخلوق پر ڈال دیا۔ اب مغربی ممالک میں عورت کا کام یہ ہے کہ وہ ہوٹلوں، کلبوں، سینماؤں اور فضائی کمپنیوں اور رقص گاہوں میں اپنے ناز و ادا اور چونچلوں سے مہمانوں، تماشائیوں، مسافروں اور عیاش لوگوں کے دل بہلائے خوش کرے اور ان کے جنسی جذبات کی تسکین کا سامان مہیا کرے یا پھر وہ یہ کام نہ کرے تو دفتروں، سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں، عدالتوں، کارخانوں اور کمپنیوں میں ٹائپسٹ، اسٹینوگرافر، ٹیچر، پروفیسر اور ڈاکٹر کے طور پر دن بھر ڈیوٹی ادا کرے اور یہاں بھی مرد کی دِلبستگی کا سامان بنے پھر شام کو گھریلو ذمہ داریاں، بچوں کی پیدائش و پرورش اور خوراک پوشاک کے روزانہ انتظامات پورے کرے، گویا معاشرتی اور معاشی ذمہ داریاں بیک وقت انجام دے یا اگر وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو تجرّد یعنی تنہائی کی زندگی گذار دے۔ اور جب بیمار ہو تو ہسپتال میں داخل ہو جائے۔ جب بوڑھی ہو تو محتاج خانے میں داخل ہو جائے۔ اور جب موت آجائے تو لاوارث لاش کے طور پر زیرِ زمین اسے دفن کر دیا جائے۔

عیسائیت میں عورت کا مقام ذلت آمیز، ہندو مت میں عورت کا مقام انسانیت سوز، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ اقوامِ مغرب میں عورت کا مقام تقدس و احترام سے خالی ہے، مگر اسلام وہ واحد مذہب ہے جو عورت کو بالکل درست مقام عطا کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت انسانی معاشرہ کی اکائی یعنی خاندان کا ایک لازمی اور ناگزیر جزو ہے۔ ایک خاندان کے اجزائے ترکیبی ایک مرد، ایک عورت اور اُن کے بچے ہیں۔ خاندان کی تشکیل کے لئے مرد و عورت کا باہمی تعلق ضروری ہے۔ اس تعلق کے لئے اسلام نے مرد و عورت کے مابین نکاح کا طریقہ اختیار کیا۔ نکاح ایک مجلس میں دو گواہوں کی شہادت اور حق مہر کی بناء پر قائم ہوتا ہے۔ اور یہ رشتہ دونوں کے مابین موت تک اکٹھے مِل جل کر رہنے اور گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریاں ادا کرنے کا اخلاقی اور قانونی معاہدہ ہے۔ یہ رشتۂ محبت و مؤدت اور باہمی یگانگت و خیر خواہی کے فطری جذبے کے ساتھ چلتا ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں۔ جن کا پورا کرنا ایک دوسرے پر لازم ہے دونوں کے فرائض بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ مرد کے ذمہ بیرونِ خانہ معاشی اور اجتماعی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں اور عورت پر خانگی اور معاشرتی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ عورت کو گھر کی مالکہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسے باقاعدہ ایک محترم انسانی وجود تسلیم کیا گیا جو اپنی ذات، اعمال، ایمان و اخلاق مال و اولاد کے بارے میں حقوق و اختیار رکھتی ہے۔ یہ حقوق و اختیارات اسے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے عنایت ہوئے ہیں۔ اگر کوئی اس کو ان سے محروم کرنا چاہے تو وہ عدالت کے ذریعے اُنکو واپس حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تو تھے وہ حقوق و اختیارات جو عورت کو خاوند کے مقابل دیئے گئے ہیں۔

اسلام نے ویسے بھی عورت کو بحیثیت ایک فرد معاشرہ میں نہایت مقدس مقام دیا ہے۔ کوئی شخص اسے بُری نظر سے دیکھ نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص اسے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے تو اسلام ایسے شخص پر کوڑے برساتا ہے۔ اور اگر متعلقہ شخص شادی شدہ ہے۔ تو اسلام پتھروں کی بارش کر کے اسے ایسی سزا دیتا ہے کہ وہ آئندہ دل میں اس قسم کا خیال لا ہی نہیں سکتا۔ اسلام میں عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کا مقدس مقام دیا گیا ہے۔ اور ہر مسلمان اس تقدس کو قائم اور محفوظ رکھنے کا پابند ہے اسلام نے عورت کے خاوند اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کی وراثت میں اس کا قانونی حصہ مقرر کیا ہے گویا اسلام نے عورت کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور قانونی حقوق مقرر کر کے اسے تا قیامت ایک پاکیزہ، اعلیٰ و ارفع مقام دیا ہے جس سے انسانی معاشرہ کی تشکیل اور تنظیم ہوتی ہے اور اسے استحکام اور بقائے دائمی حاصل ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت محض ایک جنسی وجود ہی نہیں بلکہ معاشرہ کی تشکیل میں خشت اولین کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کی محنتوں، مشقتوں اور قربانیوں کے طفیل یہ انسانی معاشرہ HUMAN SOCIETY قائم و دائم ہے۔ اگر اسے ایک جنسی کھلونا اور ناپاک وجود تصور کر کے اپنے صحیح فطری مقام سے گرا دیا جائے تو انسانی معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں موجودہ برطانیہ کی مثال دورِ حاضر کی بہترین مثال ہے۔ غرض عورت کو جو مقام و منصب اسلام نے بخشا ہے وہی انسانی معاشرہ کے تقدس اور استحکام و بقا کے لئے مفید و ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے بارے میں دیگر تصورات ایک طرف توہین نسوانیت ہیں اور دوسری طرف انسانی معاشرہ کے لئے نقصان دہ بلکہ تباہ کن ہیں۔

آپ نے اسلام اور دیگر مذاہب میں عورت کا کیا مقام ہے۔ ملاحظہ فرما لیا اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ بحیثیت مسلمان خاتون آپ کو کیا کرنا چاہیئے یہ بخوبی آپ کے علم میں ہے۔
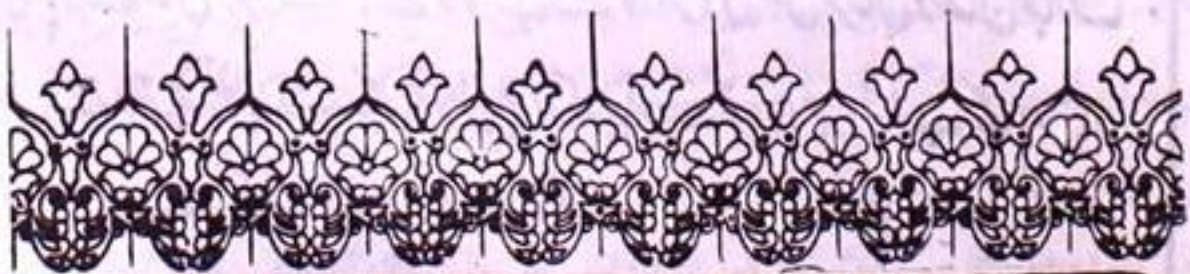
ماہ شوال کے چھ روزے

حضرت ابوایوب انصاری رضہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث پاک میں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے، ان کے رکھنے کی ترغیب اور اس کا ثواب عظیم بتلایا ہے، اجر و ثواب دینے کے بارے میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ کرم فرمایا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دینے کے بارے میں فرمادیا ہے۔ جب کسی شخص نے رمضان المبارک کے تیس ۳۰ روزے رکھے اور پھر شوال میں چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس ۳۶ روزے ہوگئے اور چھتیس کو دس ۱۰ سے ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ۳۶۰ ہوجاتے ہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو ساٹھ ۳۶۰ دن کا ہوتا ہے۔ لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے اور اس طرح پورے سال روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص ہر سال رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ چھ نفلی روزے بھی شوال میں رکھ لیا کرے تو وہ اجر و ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزے رکھنے والا مان لیا جائے گا۔

تحدیثِ نعمت

دار العلوم کراچی کے سالانہ نتائج

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی.

اما بعد!

علم کی اشاعت ایک مقدس فریضہ ہے اور انسانوں کو زیورِ علم سے آراستہ کرنا معاشرہ کی ایک بہت عظیم الشان خدمت ہے، اس خدمت کی بجا آوری میں دینی مدارس جس یکسوئی اور انہماک کے ساتھ مصروف ہیں اس کا اندازہ ان امتحانی نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے جو ہر سال کے آخر میں سامنے آتے ہیں۔

دیگر دینی مدارس کی طرح "دار العلوم کراچی" بھی بحمد اللہ، خدام علم کے اس قافلہ میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، اور اس سال "وفاق المدارس العربیہ" کے تحت "مرحلہ عالمیہ" (مساوی ایم۔اے) مرحلہ عالیہ (مساوی بی۔اے) مرحلہ ثانویہ خاصہ (مساوی ایف۔اے) مرحلہ ثانویہ عامہ (مساوی میٹرک) کے ہونے والے سالانہ امتحانات بابت ۱۴۰۶ھ میں "دار العلوم کراچی" کے طلبہ نے چاروں مراحل میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔

نیز مرحلہ ثانویہ خاصہ میں تیسری پوزیشن بھی دار العلوم کے ایک طالب علم نے حاصل کی اور مرحلہ ثانویہ عامہ میں دوسری پوزیشن بھی دار العلوم ہی کے طالب علم نے حاصل کی بقیہ شرکاء امتحان بھی ماشاء اللہ بہت اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

اسی طرح جن درجات کا امتحان وفاق المدارس کے تحت نہیں ہوتا، دار العلوم کراچی نے ان کا امتحان اپنے زیر انتظام لیا ہے، اس میں بھی نتیجہ بہت حوصلہ افزا ہے۔

دار العلوم سے تعلق و محبت رکھنے والے قارئین کے لئے، دار العلوم کراچی کے طلبہ کے نتائج کی مختصر

کیفیت ذیل میں تحریر کی جارہی ہے، جس سے انشاء اللہ دارالعلوم کے تعلیمی معیار، طلبہ کے ذوق و شوق اور اساتذہ و کارکنان کی محنت و اخلاص کا اندازہ کیا جاسکے گا۔

اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو مزید ترقیات سے نوازیں اور اس کے علمی وقار و مقام میں بیش از بیش اضافہ فرمائیں اور تمام خدّام کی خدمات مقبول فرمائیں، آمین،

مختصر کیفیت نتائج امتحانات سالانہ سنہ ۱۴۰۶ھ

زیرِ انتظام وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مرحلہ عالمیہ سال دوم، (دورۂ حدیث شریف)

تعداد شرکاء طلبہ دارالعلوم		۵۱
کامیاب درجۂ امتیاز	(ممتاز)	۱۳
〃 〃 اعلیٰ	(جید جدًا)	۱۶
〃 〃 وسطیٰ	(جیّد)	۱۹
〃 〃 ادنیٰ	(مقبول)	۱

اس درجہ میں مولوی نور البشر سلمہ پورے وفاق میں اول نمبر پر آئے۔
دو طالب علموں کا نتیجہ مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ابھی روک لیا گیا ہے تاہم فیل کوئی نہیں ہوا۔
مندرجہ ذیل طلبہ نے امتیازی درجہ (ممتاز) حاصل کیا۔

مرحلۂ عالمیہ (آخری سال) میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے والے طلبہ

۱	مولوی نور البشر	۸	مولوی محمد اسلم
۲	〃 مسیح اللہ	۹	〃 محمد صفی اللہ
۳	〃 عبدالمالک	۱۰	〃 داؤد شاہ
۴	〃 محمد زبیر اشرف	۱۱	〃 محمد مسلم
۵	〃 احسان اللہ	۱۲	〃 عبدالمنان
۶	〃 رفیق الاسلام	۱۳	〃 محمد عیسیٰ
۷	〃 محمد عمر		

مرحلۂ عالمیہ (سال دوم)

شرکاء امتحان ۳۱ طلبہ

کامیاب درجہ امتیاز	(ممتاز)	۱۵	طلبہ
〃 〃 اعلیٰ	(جیّد جدّاً)	۱۱	〃
〃 〃 وسطیٰ	(جیّد)	۳	〃
〃 〃 ادنیٰ	(مقبول)	۲	〃

اس درجہ کے ایک طالب علم محمد جمیل پورے وفاق المدارس کے تمام طلبہ میں اول نمبر آئے ہیں اور اس درجہ میں بھی فیل کوئی نہیں ہوا۔

مندرجہ ذیل طلبہ نے امتیازی درجہ (ممتاز) حاصل کیا۔

مرحلہ عالیہ سال دوم میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے والے طلبہ

۱	حبیب الٰہی	۹	عبدالرحمٰن
۲	عبدالاحد	۱۰	عبدالمالک
۳	سلطان احمد	۱۱	مہتاب احمد
۴	عبدالحی	۱۲	محمد جمیل
۵	ابو طاہر	۱۳	محمد نعیم
۶	محب اللہ	۱۴	محمد یونس
۷	شفیع العالم	۱۵	محمد یعقوب
۸	محمد غلام مولیٰ		

مرحلۂ ثانویہ خاصہ (سال دوم)

تعداد شرکاء		۴۱	طلبہ
کامیاب درجہ امتیاز	(ممتاز)	۵	〃
〃 〃 اعلیٰ	(جیّد جدّاً)	۱۳	〃
〃 〃 وسطیٰ	(جیّد)	۱۱	〃
〃 〃 ادنیٰ	(مقبول)	۱۱	〃

اس درجہ کے طالب علم عبدالقادر پورے وفاق میں اول آئے ہیں اور اسی درجہ کے طالب علم عبیداللہ پورے وفاق میں سوم آئے ہیں۔

البتہ ایک طالب اس درجہ میں فیل ہوگیا۔

مندرجہ ذیل طلبہ نے امتیازی درجہ (ممتاز) حاصل کیا۔

مرحلہ ثانویہ خاصہ سال دوم میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے والے طلبہ

۱	عبدالقادر	۴	اعجاز احمد
۲	عبیداللہ	5	محمد طارق خلیل
۳	یوسف افریقی		

مرحلہ ثانویہ عامہ

(سال دوم)

تعداد شرکاء امتحان	۳۷	طلبہ
کامیاب درجہ امتیاز (ممتاز)	۲۰	〃
〃 〃 اعلیٰ (جید جدا)	۱۳	〃
〃 〃 وسطیٰ (جید)	۳	〃
〃 〃 ادنیٰ (مقبول)	۱	〃

اس درجہ کے طالب علم عبدالحمید پورے وفاق میں اول آئے اور اسی درجہ کے طالب علم سعیدالرحمن پورے وفاق میں دوسرے نمبر پر آئے ۔ نیز اس درجہ میں فیل بھی کوئی نہیں ہوا ۔
مندرجہ ذیل طلبہ نے امتیازی درجہ (ممتاز) حاصل کیا ۔

مرحلہ ثانویہ عامہ (سال دوم) امتیازی نمبر حاصل کرنے والے طلبہ

۱	عبدالحمید	۱۱	عید محمد
۲	سعیدالرحمن	۱۲	سید الامین
۳	حسین احمد	۱۳	حفیظ اللہ
۴	شفیع الرحمن	۱۴	آفتاب احمد
۵	سلیم اللہ	۱۵	عزیز اللہ
۶	محمد ہارون	۱۶	ظفر الحق
۷	ابوالحسین	۱۷	فدا حسین
۸	محمد ادھم	۱۸	ارشد محمود
۹	قطب الدین	۱۹	محمد طیب
۱۰	ضیاء الدین	۲۰	ثناء اللہ

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ وفاق المدارس کے تحت لئے جانے والے چاروں مراحل کے سالانہ امتحان میں دارالعلوم کے

کل ۱۶۰ طلبہ شریک ہوئے جن میں سے

۵۲ طلبہ نے امتیازی درجہ میں کامیابی حاصل کی

۵۳ طلبہ نے اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی

۲۷ طلبہ نے درجۂ وسطیٰ میں کامیابی حاصل کی

۱۴ طلبہ نے ادنیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی

۱ ایک طالب علم فیل ہوا۔

۲ طلبہ کے نتیجہ کا انتظار ہے۔

کیفیت نتائج امتحان سالانہ ۱۴۰۶ھ

زیر انتظام دار العلوم کراچی ۱۴

شرکاء درجۂ تخصص فی الافتاء ۵ طلبہ

سالِ اوّل

کامیاب درجہ اعلیٰ	۴	طلبہ
" " وسطیٰ	۱	طالب علم

اس درجہ میں دل شاد اگئی اپنی جماعت میں اول، دلاور حسین بنگلہ دیشی دوم، اور محمد سعید کشمیری سوم آئے

سال دوم

تعداد شرکاء	۳	طلبہ
کامیاب درجہ امتیاز	ایک مولوی غیاث الدین	
" " اعلیٰ	۲	طلبہ

اس درجہ میں غیاث الدین اول، رحیم داد کوہستانی دوم اور محمد یونس میر پوری سوم آئے

مرحلہ عالمیہ سال اوّل

(موقوف علیہ)

تعداد شرکاء	۴۴	طلبہ
کامیاب درجہ اعلیٰ	۱۱	"
" " وسطیٰ	۲۷	"
" " ادنیٰ	۶	"

اس درجہ میں محمد خیر اللہ اپنی جماعت میں اوّل، محمد طیب مانسہروی دوم اور عبد الرحمن کراچوی سوم آئے اور فیل کوئی نہیں ہوا۔

مرحلہ عالیہ سال اول
(درجہ خامسہ)

تعداد شرکاء	۵۱	طلبہ
کامیاب درجۂ اعلیٰ	۴	〃
〃 〃 وسطیٰ	۳۶	〃
〃 〃 ادنیٰ	۱۱	〃

طالب علم نذیر حسین کشمیری اس جماعت میں اول، محمد قاسم دوم اور محمد طیب سوم آئے۔ اور فیل کوئی نہیں ہوا۔

مرحلہ ثانویہ خاصّہ (سال اوّل)
(درجہ ثالثہ)

تعداد شرکاء	۵۳	طلبہ
کامیاب درجہ اعلیٰ	۱۰	〃
〃 〃 وسطیٰ	۴۰	〃
〃 〃 ادنیٰ	۳	〃

متعلم عصمت اللہ اس جماعت میں اول، انعام اللہ دوم اور خالد حسین سوم آئے اور فیل کوئی نہیں ہوا۔

مرحلہ ثانویہ عامّہ (سال اوّل)
(درجہ اُولیٰ)

تعداد شرکاء	۵۷	طلبہ
کامیاب درجۂ امتیاز	۳	طلبہ (۱)عبید اللہ افغانی (۲) محمد ازہر عالم (۳) محمد طارق آنکی
کامیاب درجۂ اعلیٰ	۶	طلبہ
〃 〃 وسطیٰ	۳۰	〃
〃 〃 ادنیٰ	۱۲	〃

طالب علم عبید اللہ افغانی اس جماعت میں اول، محمد ازہر عالم دوم اور محمد طارق آنکی سوم آئے۔ البتہ ۵ طلبہ اس جماعت کے فیل ہو گئے۔

مرحلہ متوسطہ (سال سوم)

تعداد شرکاء	۱۹ طلبہ		
کامیاب درجۂ امتیازی	۱	طالب علم	نعمت اللہ
〃 〃 اعلیٰ	۶	طلبہ	
〃 〃 وسطیٰ	۷	〃	
〃 〃 ادنیٰ	۵	〃	

طالب علم نعمت اللہ اس جماعت میں اول، عبدالروف دوم اور الطاف الرحمٰن سوم آئے اور فیل کوئی نہیں ہوا۔

مرحلہ متوسطہ (سال دوم)

تعداد شرکاء	۲۴	طلبہ
کامیاب درجہ اعلیٰ	۳	〃
〃 〃 وسطیٰ	۱۹	〃
〃 〃 ادنیٰ	۲	〃

طالب علم عزیز الرحمن اس جماعت میں اول، سلطان شمشیر علی دوم اور سمیع اللہ سوم آئے فیل کوئی نہیں ہے

مرحلہ متوسطہ (سال اوّل)

تعداد شرکاء	۴۰ طلبہ
کامیاب درجہ اعلیٰ	ایک طالب علم
〃 〃 وسطیٰ	۲۳ طلبہ
〃 〃 ادنیٰ	۱۵ 〃

طالب علم محمد ابراہیم اس جماعت میں اوّل، غیاث خان دوم اور شیر محمد ہزاروی سوم آئے۔ البتہ ایک طالب اس جماعت میں فیل ہوا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ دارالعلوم کراچی نے اپنے زیر اہتمام "درجہ کتب عربی و فارسی" کے جن سالوں کا امتحان لیا اس میں دو صد چھیانوے طلبہ شریک ہوئے جس میں سے

درجہ امتیاز میں پانچ طلبہ

درجہ اعلیٰ میں ــــ ۴۷ طلبہ
〃 وسطیٰ میں ۱۸۲ 〃
〃 ادنیٰ میں ۵۵ 〃

کامیاب ہوئے اور صرف ۶ طلبہ فیل ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ تمام طلبہ علوم دینیہ کو مزید شوق و ذوق عطا فرمائیں اور ان سب کو اپنے دین کی مخلصانہ خدمت کی توفیق مرحمت فرمادیں۔ آمین۔

تحریر کردہ: ماسٹر منظور حسین - سرگودھا

آخری وعظ

بعد نماز عشاء مکۃ المکرمۃ

از حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب نور اللہ مرقدہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۸۲ء

امابعد فقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ چھوٹا سا جملہ مبارک ہے۔ اس دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں ہیں۔ دنیا کی نعمتوں سے بھی بھرا ہوا ہے۔ لوگ یہ آپس میں نظریئے قائم کرتے ہیں کہ سمجھدار کون ہے؟ عقلمند آدمی کون ہے؟ دانا آدمی کون ہے؟ قرآن کریم نے بھی ارشاد فرمایا اور جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف کی آخری روایت ہے۔

عقلمند اور سمجھدار وہ شخص ہے، جو ہمیشہ کی زندگی اس کے پیش آنے والی ہے۔ اس کا سامان بنالے اور اس کے سنوارنے کی کوشش کرے وہ عقلمند اور سمجھدار ہے! اور جس نے یہ زندگی برباد اور تباہ کی دنیا کی خواہشات کے لئے۔ خواہ یہ ساری دنیا اس کو دانا اور عقلمند کہے، وہ نادان اور بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے اندازہ فرمائیے۔ سب سے پہلی لڑائی ہوئی سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑائی ہوئی بدر میں۔ جو بڑی لڑائی ہے۔ اس کے اندر بچے بھی تھے۔ اور اس کے اندر بڑی عمر والے بھی تھے! اور سرکار کا ارادہ مبارک لڑائی کا نہیں تھا۔ قافلے کو پکڑنے کا ارادہ مبارک تھا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مستورات کے لئے کہ ان لوگوں میں سے جو سرکارؐ کے ساتھ نکلے تھے۔ دو بچے تھے۔ اصل میں تو سات بھائی تھے۔ ایک ماں کے بیٹے تھے۔ کوئی چھوٹی عمر کے تھے۔ کوئی بڑی عمر کے تھے۔ اندازہ کیجیے کہ وہ ماں کیسی ماں تھی؟ وہ عورت کیسی عورت تھی؟ سرکارؐ کی مجلسوں نے کیسا اس کو بنا دیا تھا؟ سات بچے تھے، سات بچے تھے، سات کے سات ہی سرکارؐ کے ساتھ ہی سرکار کے ساتھ بھیج دیئے کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر میرے بچے قربان ہو جائیں۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی مرد کا، یا کسی عورت کا یہ کارنامہ ہو کہ اس نے سات بچے سوائے اس عورت کے کہ جس کا نام عفراءؓ تھا۔ آپ نے ان کا نام مبارک کبھی نہیں سنا ہوگا۔ یہ پہلی لڑائی میں، اس کے بچے سات موجود تھے۔

آپؐ کے ساتھ نام تو مبارک ان کا عفراؓ تھا۔ ایسی مستورات پر ساری دنیا کی عورتیں قربان کر دی جائیں۔ ان کے جوتوں پر تب بھی وہ اس کی شان کو نہیں پہنچتیں۔ ان بچوں کے باپ دو تھے۔ ماں ایک تھی۔ پہلا باپ فوت ہوگیا پھر دوسرا باپ۔ ان سے نکاح ہوا۔ لیکن اس عورت کے تو سات ہی سات بچے تھے۔ باپ اگر دو تھے تو دو تھے۔ اس عورت کے دو بچوں نے ابوجہل کے اوپر حملہ کیا۔ اور اس کو گرایا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ، جو سن کے جاؤ یاد رکھو۔ اللہ تعالٰی مجھے بھی سمجھنے کی توفیق بخشے۔ زندگی برباد کی ہے۔ خراب کی ہے۔ قبر میں اکیلے ہی جانا ہے۔ کوئی ساتھی ساتھ نہیں جانے والا یا نیکی ہے یا بدی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ مالدار صحابہؓ میں سے تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ جب ہجرت فرما کر گئے، مدینہ طیبہ، ایک بھائی ان کے پاس گیا۔ کسی نے سرکار کے حکم کے مطابق ان کے سامنے پیش کیا جو ضرورتیں تھیں۔ کہا مجھے بازار کا راستہ دکھلاؤ۔ میں خود کمالوں گا۔ اللہ جل شانہ‘ دعما نوالہ‘ نے بہت مال دیا۔ اتنی تجارت تھی کہ ایک دفعہ ان کی تجارت کے آٹھ سو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے۔ مدینہ طیبہ شہر مبارک کے اونٹ تھے ظاہری لحاظ سے آبادی کتنی تھی؟ جن لوگوں نے پہلے زیارت کی ہے۔ ان سے پوچھئے مدینہ طیبہ کی کیا آبادی تھی؟ اب کوٹھیوں والے، بلڈنگوں والے آگئے۔ یہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ ہم نے بنایا ہے۔ نہیں مدینہ طیبہ انہوں نے بنایا ہے۔ جن کے پاس بٹن جیسے تھے اپنی قمیص بھی سیتے، کانٹوں کو وہ کپڑے کو سنبھال کے استعمال کرتے۔ لیکن اس کی تعریفیں قرآنِ کریم عرشِ الٰہی سے بھیجتا ہے۔ وہ کیسے لوگ تھے؟ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آٹھ سو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے۔ ہر قسم کا مال برتن۔ کپڑے بھی۔ کھانے پینے کا سامان بھی۔ آٹھ سو مدینہ طیبہ کو چاہیئے تھا؟ دھوم مچ گئی۔ بڑا مال آگیا خوشحالی ہوگی۔ آسانی ہوگی۔ سب ضرورت کی چیزیں مل جائیں گی۔ قحط جو پڑا ناں اس لئے۔ سرکار دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آواز سنا۔ پوچھا یہ کیا بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے آٹھ سو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے ہیں۔ لوگ خوشی کے مارے شور کر رہے ہیں۔ اب ضرورت کی چیزیں سب مہیا ہو جائیں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیا فرمایا؟ تم نے شور بھی سنا۔ مجھ سے بھی سن لو کہ سرکارؐ نے کیا فرمایا؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ سرکار نے فرمایا تھا۔ اگر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جنت میں گیا تو لڑھکتا ہوا جائے گا۔ کھڑا ہو کر کے نہیں جائے گا۔ کمزور حالت کے اندر جائے گا۔ یہ بات پہنچی حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت سارا آٹھ سو کا آٹھ سو سارا، اونٹ قربان کر دیا۔ اور خیرات کر دیا۔ کہ اللہ میرے جنت کے داخلے کو ٹھیک فرمائے۔ اس نبی اُمّی کی نگاہ مبارک میں کیا دولت تھی؟ یہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ ایک بچہ ایک طرف کھڑا ہے۔ ان کے دل میں خیال آیا۔ کاش کہ میرے آس پاس جوان ہوتے تو آج لڑائی کا مزہ آتا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں یہ کیا لڑیں گے؟ اسی اثنا میں سوچ میں پڑے ہوئے تھے کہ ایک بچہ پوچھتا ہے۔ چچا عبدالرحمٰن، ابوجہل کون ہے؟ کہاں ہے؟ یہ حیران ہوئے کہ کیوں پوچھتا ہے بچہ؟ پوچھا بیٹا کیوں پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا میری ماں نے یہ کہا تھا کہ کہ ابوجہل اگر واپس گیا تو یاد رکھو تم میرے بیٹے نہیں ہو۔ آج ہم نے ختم کر کے جانا ہے اسے۔ پھر دوسرے بچے نے اسی طرح سوال کیا اور سوال کیا۔ یہی جواب ملا۔ وہ صفیں درست کر رہا تھا۔ ابوجہل۔ جب اشارہ کیا کہ وہ ہے۔ باز کی طرح جس طرح چڑیوں پر باز حملہ کرتا ہے اور بھاگتا ہے۔ اسی طرح اڑے اور اس کو گرایا اور ایک بچے کا بازو کٹ گیا۔ عشق کا اندازہ کرو؟ کامیاب تو ہو گئے تھے۔ جب دشمن کو مارنا تھا وہ تو مار دیا تھا۔ اس بازو پر پاؤں رکھ کر اس کو کھینچ کر دور پھینک دیا۔

یہ لوگ تھے سمجھدار لوگ عقلمند لوگ۔ جنہوں نے اپنی موت۔ افسوس کی بات ہے کہ زندگی بناتے بناتے ہم نے موت نہیں بنائی کہ موت ہماری کامیاب ہو۔ ہماری موت بھی ایسی ہے جیسے ہماری زندگی خراب تھی۔ ایسے ہی موت بھی خراب ہوگئی۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ ابن معاذؓ یہ سردار تھے قبیلہ مدینہ کے ایک قبیلے کے۔ حضرت کو بڑا ہی پیار تھا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم، بڑے ہی شریف تھے۔ یہ بنو قریظہ کی جنگ کے اندر شہید ہوئے ہیں۔ اکحل ایک رگ ہوتی ہے بازو میں اس اکحل میں تیر لگا خون بند نہیں ہوا۔ ان کا خیمہ مبارک آپؐ کے اپنے خیمہ مبارک کے ساتھ تھا۔ خون بہہ کر آپؐ کے خیمہ میں گیا۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا کہ آج سعد کی بات ختم ہوگئی۔ حضرت سعدؓ نے ایک دعا مانگی کہ اے اللہ اپنے نبیؐ کے دشمنوں کا حشر مجھے دکھا کر تب مجھے مارنا۔ فوراً خون بند ہوگیا۔ میں نے صرف آنا عرض کرنا ہے میری بہن اور میری بچیاں، حضرت سعدؓ کے متعلق میری سرکارؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے جنت میں ایک چھوٹا سا رومال ان کو دیا ہے نا۔ ساری دنیا کی اگر منڈی میں بکے تو ترجیح دو اس رومال کی قیمت بھی نہیں دے سکتے۔ یہ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے۔ تم کو بڑا شوق ہوتا ہے کپڑے کا لباس کا' سامان کا' سامان کی بڑی گت بنے گی آگے جاکر۔ اللہ عملوں والی زندگی دے جس سے قبر بھی بنتی ہے۔ جس سے موت بھی بنتی ہے۔ جس سے زندگی بھی بنتی ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے۔ تھانہ بھون کا واقعہ کہ وہاں طاعون کی جب بیماری ہوئی تو ایک طالب علم تھا بیچارہ ولایتی۔ ہر وقت کتابوں میں لگا رہتا' ولایتی مراد اس سے ہے۔ افغانستان کا پٹھان۔ اس کے متعلق لوگ کہتے تھے بچہ تھا بارہ تیرہ چودہ سال کا بچہ تھا۔ کہ یہ اپنے والدین کے پاس چلا جائے۔ تاکہ بیچارے والدین کو صدمہ نہ ہو کہ بچہ وہیں مرگیا۔ غائبانہ انتقال ہوگیا۔ مگر وہ قدرت کی بات ہے دوسرے دن اس کو پھوڑا طاعون کا نکل آیا۔ اس کوشش میں رہے کہ جلدی جلدی اس کو افاقہ ہو تو بھیج دیا جائے۔ اس مرض بڑھتی گئی۔ بڑھتی گئی۔ آخیر میں بیچارے وہاں تھانہ بھون میں ...... سرائے بیٹھے کہتے اس کا وقت آگیا۔ ماں باپ کے پاس پہنچ جاتا تو وہ آنکھیں کھول کر کے کہتا ہے اب وہاں جانے کے لئے دل نہیں چاہتا۔ اب یہاں اپنے اللہ کے پاس جانے کے لئے دل چاہتا ہے۔ دیکھو زندگی بنی تو موت بھی بن گئی۔ وہاں جانے کا شوق نہیں ہے۔ شوق اپنے اللہ تعالےٰ کے پاس جانے کا شوق ہے۔

یہ واقعہ حضرتؒ خود بیان فرماتے۔ تھانہ بھون میں یہ واقعہ ہوا۔ حضرت فرماتے تھے میں نے جنازہ پڑھایا۔ اتنے انوار اور برکات تھے۔ میرا دل چاہتا تھا کاش کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔ حضرت نے خود واقعہ سنایا۔ جن سے موت نہیں بن سکی ان بدنصیبوں سے زندگی بھی نہیں بن سکتی۔ زندگی بھی ان کی بنے گی جن کی موت بن گئی۔ تو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سمجھدار وہ ہے جس نے مرنے کے بعد جو زندگی پیش آنے والی ہے۔ اس زندگی کو سنوار لیا، بنا لیا۔ دلی میں ایک بزرگ گزرے ہیں مرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ ان کو شہادت کا بڑا شوق تھا۔ رات کو تہجد کی نماز پڑھی ناں اب تو نام رہ گیا نا تہجد کی نماز کا۔ تہجد کی نماز پڑھی تو کشف ہوا کہ آج مجھے شہادت کی دولت نصیب ہوگی۔ اس شہادت کے شوق کی خوشی کے اندر بار بار نہائے دھوئے خوشبو لگایا کہ آج اللہ پاک کے پاس پہنچنا ہے۔ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

سرجدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود

قصّہ کوتاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

ایک عالم تھے صاحب حال میں سے، یہ شعر پڑھا وہ پھڑک گئے، شوق کے اندر عشق کے اندر، شہید ہوئے تھے، انہوں نے مسئلہ پوچھا، مسئلہ فرمایا اور انہوں نے تلوار چھپائی ہوئی تھی خنجر۔ خنجر ماری شہید ہوئے کہتے کہ کتابوں میں آیا ہے کہ حضرتؒ کی کسی زمانے میں لوح تھی مزار شریف کا جو کتبہ تھا لکھا ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مرگیا مظہر۔ حقیقت یہ کہ اپنے گھر گیا مظہر ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مرگیا مظہر حقیقت یہ ہے کہ اپنے گھر گیا مظہر

یہ ہے بڑی بات سبحان اللہ! موت تو ایسی ہو۔ یہ بھی کوئی خواجہ صاحبؒ کا ارشاد تھا ؎

نہ ساقی نہ بادا نہ مینا یہ بھی کوئی ہے جینوں میں جینا

نہ ساقی نہ بادا نہ مینا۔ نہ اللہ کی محبت نصیب ہوئی نہ ان کا نام مبارک لینا نصیب ہوا۔ نہ ان کی محبت والوں کے پاس آنا جانا نصیب ہوا۔ یہ بھی کوئی جینے میں سے جینا ہے۔ یہ بھی کوئی زندگی میں سے زندگی ہے؟ نہ ساقی نہ بادا نہ مینا۔ یہ بھی کوئی ہے جینوں میں جینا۔ اللہ اکبر۔ ہمیشہ وہ زندہ رہے لیکن کوئی زندگی ہمیشہ کے لے کر نہیں گیا۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہمیشہ جوان رہوں لیکن جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ بہر حال سرکار دوعالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ قیامت کے دن چار اعلان ہوں گے۔ شاید پھر موقع نہ ملے۔ میں یہ سنا دوں۔ چار اعلان ہوں گے جنتیوں کو اعلان فرمایا جائے گا۔ ساری جنّت والے سن لو مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث مبارک ہے بخاری سے نقل کی ہے۔ یا صحیح مسلم سے نقل کی ہے۔ وہ چار کونسے اعلان ہونگے؟ سن لینا غور سے۔ چار چیزیں ایسی ہیں جن چیزوں کی ساری دنیا طالب ہے۔ بادشاہ بھی، مزدور بھی، تاجر بھی، کالے رنگ کا بھی، حبشی بھی، گورے رنگ کا بھی۔ لیکن اتفاق کی بات ہے نہ تخت والے کو ملتی ہے۔ چار چیزیں نہ تخت والے کو ملتی ہیں۔ وہ بھی سن لینا۔ وہ کس کو ملتی ہیں؟ وہ چار چیزیں کونسی ہیں؟ میں لمبی بات نہیں کرتا مختصر کرتا ہوں کیونکہ رات کا وقت ہے۔ ایک ہے ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہمیشہ وہ زندہ رہے لیکن کوئی زندگی ہمیشہ کی لے کر نہیں گیا۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہمیشہ جوان رہوں لیکن جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہمیشہ تندرست رہوں۔ لیکن تندرست نہیں رہے گا۔ لاکھوں مخلوق جمع کرو ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملے گا جو کہے کہ مجھے کوئی بیماری نہیں۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں خوشحال رہوں لیکن یہ نہ بادشاہوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اندلس کا ایک بادشاہ تھا اس کی چودہ سال حکومت تھی۔ کہتا تھا صرف پچاس دن کوئی آسانی سے گزرے، باقی ساری بادشاہی میری ایسی تھی جیسے پھانسی پہ لٹکا ہوں۔ نہ جان نکلتی ہے۔ نہ پھانسی لگتا ہوں۔ یہ۔ اس کا نام ہے حکومت اور بادشاہت۔ بادشاہی وہ ہے کہ جس کو اللہ تعالےٰ اپنی محبت کی دولت سے نواز دے۔ اپنے پیار سے نواز دے۔ شاہجہان کو ایک زمانے میں اس کے

حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک خادم تھے، حضرت کے خلیفہ تھے ان کے دولت خانے میں عالمگیر گیا انکی خدمت میں کہ دعا کراؤں کہ باپ کی گدی مجھے ملے۔ حضرت نے فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ اس چٹائی پہ۔ چٹائی پر بیٹھ جاؤ

پہلے بٹھایا پھر عرض کی کہ حضرت میں آیا ہوں دعا کریں کہ مجھے تخت مل جائے۔ فرمایا ہم نے تخت پر تو بٹھا دیا۔ دارالشکوہ گیا اس نے سمجھی اسی لئے گیا حضرت نے فرمایا یہ میری دستار سر پر رکھو ٹوپی سر پر رکھو۔ اس نے کہا میں جناب کی ٹوپی کیسے رکھوں بہت بے ادبی ہے۔ ایک درخواست ہے کہ تاج ملے۔ فرمایا ہم نے تاج دیا تھا۔ تو نے سر پر رکھا ہی نہیں یہ بھی حضرتؒ نے واقعہ بیان فرمایا۔ آگے ہی اسی طرح کا واقعہ اور بھی ہے۔ فرمایا کہ ہم نے تخت دیدیا۔ باقی اسالہے نا یہ تیرا جو ملازم ہے ناں نکلی یہ، اس کے اختیار میں ہے۔ اللہ پاک نے دیا ہے۔ اس کو کہو کہ تیرے سر پر تو ٹوپی رکھ دے۔ تاج رکھ دے تیرا تاج۔ وہ بڑا اونچا آدمی تھا۔ اس کو کہتے ہیں عالمگیر یہ ٹوپی رکھو میرے سر پر وہ کہتا ہے جی میں کیسے رکھوں۔ بیٹھ گئے فرمایا لاؤ ٹوپی میرے سر پر رکھ دو۔ وہ لاتا نہیں ہے۔ آخر میں ڈانٹا اس کو رکھتے کیوں نہیں ہو۔ فرمایا جاؤ، اب کام ہو گیا۔ تو یہ جو ہے شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ تھے ان کے لنگر خانے میں ستر ستر ہزار آدمی ایک ایک وقت میں کھانا کھاتے تھے۔ بتاؤ کہ بادشاہ یہ تھے یا بادشاہ وہ ہیں جو تختوں پر بیٹھنے والے۔ اللہ اکبر حضرتؒ کی کروفر دیکھ کر شاہجہان نے کہدیا کہ تم نکل جاؤ۔ میرے ملک سے نکل جاؤ فرمایا بہت اچھا کسی نے اطلاع دی نجومی نے یا کسی صاحب کشف نے کہ شاہجہاں تیرا اتنے تک ملک باقی ہے۔ جب تک حضرت شیخ آدم بنوریؒ تیرے ملک میں موجود ہیں۔ جب وہ نکل جائیں گے تیرا تخت ختم ہو جائے گا۔ اب آدمی بھیجا کہتا ہے مجھے معاف کر دیں۔ میرے سے غلطی ہو گئی فرمایا میں تو اللہ کے گھر کا ارادہ کر چکا ہوں بیت اللہ کا۔ تیری حکومت رہے یا نہ رہے میں تو نہ رہوں گا۔ حضرت کی زبان مبارک سے یہ نکلا۔ اصل بادشاہت تو یہ تھی سبحان اللہ کیسے بادشاہ تھے جن کے نعلوں پر بادشاہیاں قربان ہو جائیں۔ اور جن کے ملکوں کے ملک قربان ہو جاتے تھے۔

ضلع لاہور میں ایک شخص آیا۔ یہ چٹان والا اخبار میں بھی آیا، شورش کاشمیری کا۔ بھئی دو اسماعیل یہ دو اسماعیل لاہور میں آئے تھے۔ ایک وہ تھے کہ ان کی حضرت یہ حالت تھی جس پر نظر پڑتی تھی وہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ وہ حالت ان کے اوپر طاری ہوتی۔ ایک ہی نگاہ کے اندر ساڑھے پانچ پانچ سو آدمی مسلمان ہوا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ۹ لاکھ آدمی خواجہ اجمیریؒ کی برکت سے مسلمان ہوا۔ حضرت کی تقریر تھی بادشاہوں کا تو نام ہے۔ کام تو سارا درویشوں نے کیا۔ درویشوں نے کام کیا۔ بہرحال سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اعلان ہو گا۔ نہ ہمیشہ زندگی کسی کو ملتی ہے۔ نہ ہمیشہ جوانی کسی کو ملتی ہے۔ نہ ہمیشہ کسی کو تندرستی ملتی ہے۔ نہ ہمیشہ کسی کو خوشحالی ملتی ہے لیکن سرکارؐ نے فرمایا میری بات مان جاؤ میں چار کی چار ہی چیزیں دے دوں گا۔ ہمیشہ زندہ رہو گے۔ جوان رہو گے۔ ہمیشہ تندرست رہو گے۔ ہمیشہ رہو گے۔ ہمیشہ خوشحال رہو گے۔ اس عنوان سے فرمایا کہ اعلان کیا جائے گا جنتیوں کو، یا اھل الجنۃ ان لکم ان تحیوا فلا تموتوا ابداً (ترجمہ) کہ اے جنتیوں اب ہمیشہ تم نے زندہ رہنا ہے۔ کبھی مرنا نہیں ہے۔ یا اھل الجنۃ ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابداً (ترجمہ) اے جنتیوں اب ہمیشہ تم تندرست رہو گے کبھی بیماری تم کو نہیں آئے گی۔ یہ آپؐ نے اعلان فرمایا۔ بس صرف سرکارؐ کی بات، اللہ تعالےٰ ان کا عشق اور محبت نصیب فرمائے۔ ان کے حکموں مبارکوں کی تابعداری نصیب فرمائے۔ مریں تو ان کے خادم بن کے مریں۔ رہیں تو ان کے غلام بن کے۔ میری بہنو اور میری بچیوں! میں تم کو سناتا ہوں۔ مولانا جیلانیؒ مرحوم ہوئے ہیں۔ بڑے اونچے درجے کے آدمی تھے۔ اہل اللہ میں سے بھی تھے۔ عالم بھی تھے۔ بڑے گویا لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے ایک مضمون دیا تھا دارالعلوم رسالہ دیوبند کا، مدرسے کا، اس مضمون کے اندر انہوں نے ابنِ عساکرؒ ایک محدث گزرا ہے اور مؤرخ بھی ہے۔ انہوں نے واقعہ لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت تاتاریوں کا حملہ ہوا اور ایک چھوٹی سی بستی تھی پچیس ۲۵ تیس ۳۰

کفروں کی، سب مسلمان تھے۔ اس بستی کے اوپر حملہ کیا انہوں نے جو بیچارے نوجوان تھے وہ لڑتے رہے۔ بوڑھے جو تھے۔ بیبیاں، مستورات جو تھیں، بچے جو تھے، وہ بیچارے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ انہوں نے سارے کے سارے ہی شہید ہوگئے۔ اور ان نیک بختوں کی یہ حالت تھی کہ اتنا حادثہ۔ نہ کسی مستورات میں سے کسی نے نماز چھوڑی ہے نہ کسی بوڑھے نے اتنی شریعت کی پابندی۔ حالانکہ اس حادثے میں تو ہوش وحواس قائم نہیں رہتے مغرب کا وقت آگیا۔ ایک بچی تھی۔ نوجوان بچی تھی ابھی شادی ہوئی تھی دو اس کے بچے تھے، نام اس کے سفار رحمتے۔ نام کیا ہے۔ مغرب کی نماز پڑھی تو وہ سجدے میں گری ہوئی تھی۔ دعا مانگتے مانگتے چار لفظ کہے۔ اے اللہ اب عزت بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ اب زندگی بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ بچے بھی اولاد بھی محفوظ نہیں۔ اے اللہ اب دین بھی محفوظ نہیں۔ ہم بیچاریوں کو کون سنبھالنے والا ہے؟ عزت بھی نہیں رہے گی زندگی نہیں رہے گی۔ بچے بھی نہیں رہیں گے۔ اور پھر یہ کہ دین بھی ہمارا خراب ہوجائے گا۔ یہ جو ہے روتے روتے سجدے میں آنکھ لگ گئی تو خواب دیکھتی ہے۔ خواب کیا دیکھتی ہے؟ کہ میدان محشر قائم ہے۔ اور میدان محشر کے اندر اس بچی کو خیال آیا کہ ہماری بستی کے لوگ جو فوت ہوئے ہیں ان میں میرا خاوند بھی فوت ہوا ہے ذرا دیکھوں تو سہی کہ وہ بھی ہے۔ میدان محشر میں یا نہیں۔ یہ بیچاری ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ اس کی نظر نہیں پڑی اور وہ جو تھے نا۔ وہ آدمی جو تھے بستی کے اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے حکم فرمایا کہ ان کا حساب کتاب پھر دیکھا جائے گا۔ بیچارے سارا دن میرے لئے لڑتے رہے۔ جنت کی نعمتیں لاؤ ان کو کھلاؤ اور ان کو خوب راضی کرو۔ یہ کہدیں کہ ہم اپنے اللہ پر راضی ہوگئے۔ اس کے بعد حساب کتاب کی بات ہوگی۔ وہ کھا رہے۔ اس کے خاوند کی نظر پڑ گئی۔ اس کے اوپر اس نے بلایا، رحمتے، رحمتے، یہ دوڑتے دوڑتے گئی۔ اس خاوند نے ساتھیوں سے پوچھا۔ اگر اجازت دے دو ان بیچاریوں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ یہ بیچاری ہے اس کو بھی تھوڑا سا دیدیں۔ جنت کا کھانا۔ وہ تو شہید ہوچکے تھے۔ یہ زندہ خواب میں دیکھ رہی تھی۔ برفی ہوتی ہے نا یہ دودھ خشک کرکے چینی ڈال دیتے ہیں۔ جنت کی برفی کھا رہے تھے۔ دیکھئے صاحبو! وہ برفی میں کیا مزہ؟ اتنی سی دی اس نے جتنا پورا ہوتا ہے نا۔ اتنا سا دیا اس نے اس بچی نے کھایا اس کے بعد اس کی نیند کھل گئی۔ نیند کھلنے کے بعد حضرت جی، وہ پینتالیس سال پچاس سال زندہ رہی نہ اس کو کھانے کی ضرورت پڑی نہ اس کو پینے کی ضرورت پڑی اور نہ اسے وضو کرنے کی دوبارہ ضرورت رہی۔ یہ ہیں اس جنت کی نعمتیں۔ اور جس بدبخت کے ہاتھ سے یہ نعمتیں چھن گئیں وہ بدبخت اس سے بھی کوئی بڑا بدبخت ہے؟ اتنی بڑی نعمتیں اتنے بڑے انعام۔ حضرت جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے جوڑوں کی خاک مبارک پر سب کچھ قربان کرنے کی توفیق دیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایک دوپٹہ جو عورت کو دیا جائے گا جنت کے اندر ساری دنیا اگر کسی جگہ منڈی کے اندر بک سکتی ہو تو بیچ دو۔ اس ایک دوپٹے کی قیمت نہیں۔ ساری دنیا دے سکتی۔ یہ بھی حدیث کے اندر فرمایا گیا۔ حدیث کے اندر صاف ارشاد ہے۔ غالباً عام کپڑا جو عام مستورات کام کاج کرتے وقت سر پہ رکھ لیتی ہیں۔ کسی وقت کسی تکلیف میں آنا جانا ہوتا ہے۔ حضرت جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایک ایک وقت کے اندر ستر ستر پوشاک پہنائی جائے گی جنتیوں کو اور اتنی نازک ہوگی کوئی اس کا وزن محسوس نہیں ہوگا۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ، وعم نوالہٗ تشریف لائیں گے جنتی کھانا کھا رہے ہوں گے۔ صحیح حدیث ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب رح عثمانی نے دسویں پارے میں قرآن شریف کے حواشی میں لکھا ہے۔

اللہ تعالےٰ تشریف لائیں گے۔ سبحان اللہ۔ فرمائیں گے جنتیوں کچھ اور مانگو۔ آج مہمان ہیں جنتی اللہ پاک کے۔ کچھ اور مانگو۔ جنتی عرض کریں گے۔ یا اللہ پاک کچھ کمی رہ گئی ہے ہم اور کیا مانگیں؟ فرمائیں گے اور مانگو اور مانگو اور مانگو۔ پھر اس کے بعد پھر یہ ارشاد فرمائیں گے۔

(ترجمہ) کیا ان سب چیزوں سے اعلےٰ درجے کی نعمت میں تم کو اب میں عنایت فرماؤں؟ جنتی عرض کریں گے کہ اس سے اعلےٰ اور کیا ہوگی؟ وہ جو قدرت کا پردہ ہوگا اٹھادیں گے۔ فرمائیں گے لو میری زیارت کرلو۔ کون خوش نصیب آنکھیں ہوں گی۔ مرنا ہو تو اس کے لئے مرے۔ کوشش کرنی ہو تو اس کے لئے کوشش کرے۔ اللہ تعالےٰ ہمارا سب کا آخیر وقت آسان فرمائے۔ قبر کے عذابوں سے بچالے۔ اللہ تعالےٰ قیامت میں اپنی رحمت سے فرمادیں کہ جاؤ میں حساب کتاب معاف کرتا ہوں۔

اللہ جل شانہٗ وعمّ نوالہٗ ہماری اولاد کو، اللہ ہمارے دوستوں کو، محسنوں کو، اللہ تعالےٰ ہمارے بھائی بہنوں کو۔ ہمارے والدین کو بھی مغفرت فرمائے۔ اللہ تعالےٰ مشائخ عظامؒ اور ہمارے اساتذہ کرامؒ کے بھی درجات بلند فرمائے۔

یا اللہ اپنی محبّت نصیب فرما۔ یا اللہ پاک اپنا قربِ مبارک نصیب فرما۔ یا اللہ پاک اپنی رضا مبارک نصیب فرما۔ اے میرے اللہ زندگی کی سیاہ کاریوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخش۔ یہ جناب کے احسانات ہیں کہ آپ میری اصلاح فرما۔ (ریل ایک طرف ختم) نقصان دینے والی چیزوں سے بھی اطلاع فرما، نفع دینے والی چیزوں سے بھی آگاہ فرما۔ یا اللہ پاک جو کچھ کوتاہیاں، غلطیاں ہوئی ہیں جن کا کوئی حساب شمار نہیں۔ سب معاف فرما۔ یا اللہ ہماری زندگی بھی اچھے سے اچھی ہو۔ یا اللہ ہماری موت بھی اچھے سے اچھی ہو۔ اللہ دونوں جہان کی رحمتیں اور نعمتیں نصیب فرما۔ یا اللہ موت کا وقت بڑا مشکل ہے وہ آسان فرما۔ یا اللہ قبر کے عذابوں سے بچا۔ یا اللہ جہنم سے بچاکر کے جنّت نصیب فرما۔ یا اللہ جہنم سے بچاکر جنّت نصیب فرما۔ یا اللہ ہمارے بچوں کو بھی ہمارے اہل وعیال کو بھی، ہمارے دوست واحباب کو بھی جنہوں نے ہمارے ساتھ احسان اور بھلے کئے ہیں یا اللہ انکو، ہمارے بھائی جو ہیں۔ رشتہ داروں کو، یا اللہ آپ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام اُمّت مرحومہ کو بخش دیں۔ یا اللہ آپ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام امت مرحومہ کو بخش دیں۔ یا اللہ ہمارے استادوں کے درجات کو بلند فرما۔ ہمارے والدین کی مغفرت فرما۔ یا اللہ ہمارے استادوں کے درجات میں ترقی فرما۔ افغانستان کے مجاہدین کو یا اللہ فتح اور کامیابی نصیب فرما۔ اُن کے دشمنوں کو تباہ کردے۔ ان کے دشمنوں کو توڑ پھوڑ دے۔ یا اللہ ان کو نیست ونابود فرمادے۔ یا اللہ اپنی مہربانی اور فضل سے اپنی عنایت اور رحمت سے اپنے مقبولوں میں شامل فرما، اپنے رقیبوں کی جماعت سے بچالے۔ رزق حلال اور کشادہ اور وافر نصیب فرما۔ یا اللہ پاک رزق حلال کا کشادہ اور وافر نصیب فرما۔ یا اللہ مرتے وقت مجھ کو بھی عالمین کو بھی کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے گھر اپنے محبوب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے گھر مبارک کی بے ادبیاں، گستاخیاں معاف فرما۔ یا اللہ سارے برکات نصیب فرما۔
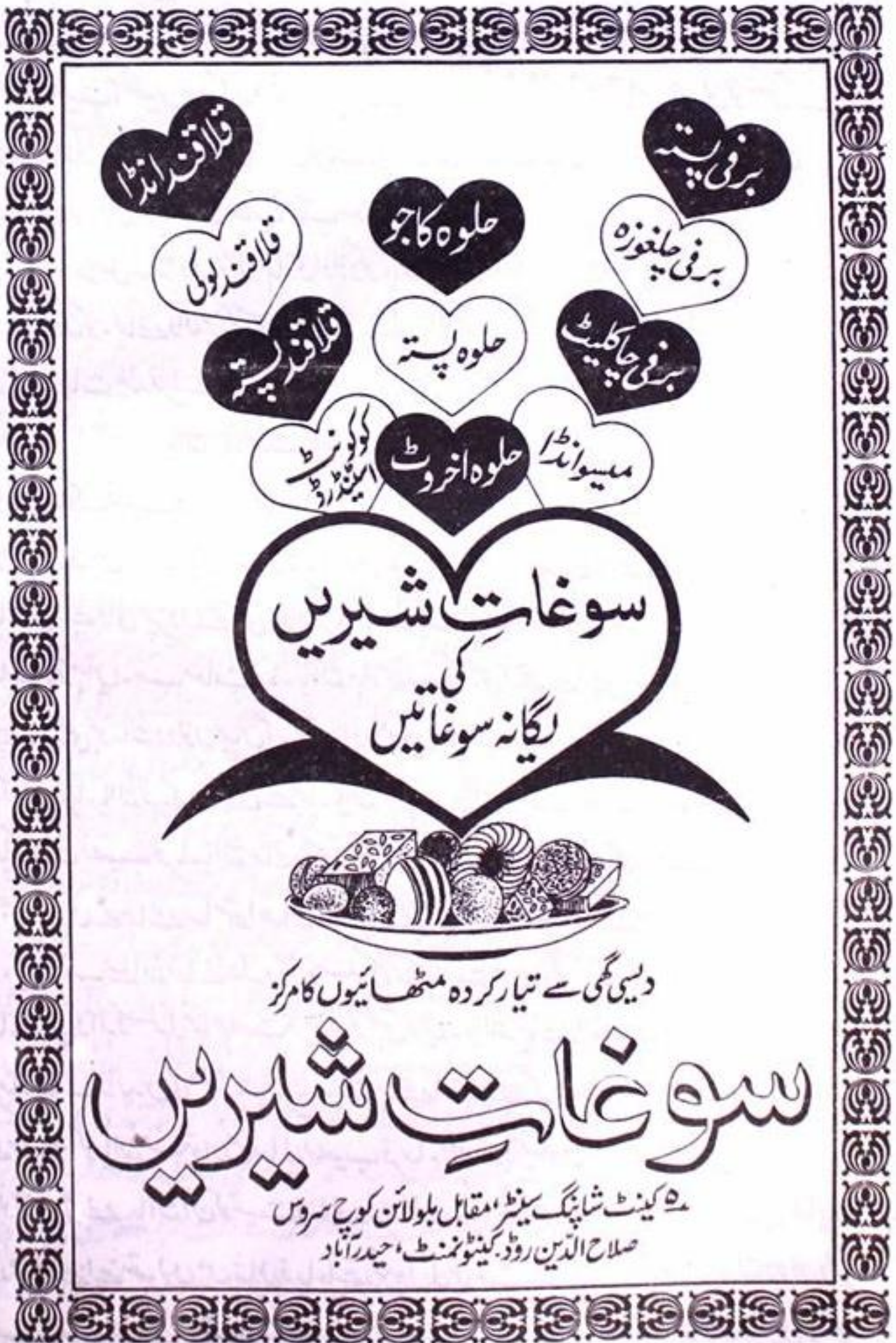
نقد و تبصرہ

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے)

نام کتاب :۔ سوانح خلیل (احوال و آثار) حضرت اقدس مفتی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ۔

مرتب :۔ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری۔ سائز $\frac{23 \times 18}{8}$ کل صفحات ۱۱۷ قیمت :۔ ۱۵/- روپے

ملنے کا پتہ :۔ مدرسہ اشرف العلوم باغبانپورہ۔ گوجرانوالہ (پنجاب)

حضرت اقدس مفتی محمد خلیل صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت، عظیم محدث، مفسر اور عارف کامل تھے۔ موصوف اللہ تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ تھے۔ آپکی مجلس وعظ میں شریک ہونے والوں میں ایمان و یقین کی فراوانی ہو جاتی۔ ایمان تازہ ہو جاتا۔ اور فکر آخرت کا جذبہ بیدار ہو جاتا۔ دنیا کی محبت مغلوب، گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے رغبت ہو جاتی۔ آپ کا وعظ انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتا۔ آپکی دعا قبولیت و تاثیر میں بے مثال تھی۔ ادھر دعا فرماتے ادھر قبولیت کے آثار ظاہر ہو جاتے۔ گوجرانوالہ میں مدرسہ اشرف العلوم قائم فرمایا۔ اور اس کے ذریعہ بے شمار مسلمان بچوں کو زیور علم سے آراستہ فرما دیا۔ غرضیکہ آپ کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ اور آپکی پند و نصائح مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا بڑا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری مدظلہ نے موصوف کی علمی اور عملی زندگی کا یہ مرقع تیار کر دیا ہے اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کے لئے کوشاں ہے تو یہ کتاب اس کے لئے رہنمائی کا کام دے گی۔ کتابت و طباعت عمدہ، بہتر سرورق قیمت بھی مناسب ہے۔ البتہ تصحیح میں ذرا محنت کی جاتی تو بہتر تھا۔ ویسے یہ کتاب بہت ہی مفید اور انتہائی نافع ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ تعلق مع اللہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف، ناشر اور دیگر کارکنان کو دارین کی سعادت نصیب فرمائے اور اس کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح میں بنیادی حیثیت کا حامل بنائے۔ آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین۔

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب :- **ایصالِ ثواب** ، تالیف :- مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری ۔
سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶ کل صفحات ۶۰ قیمت :- ۴/۵۰ روپے
ملنے کا پتہ :- مکتبہ قادریہ ، واھگہ ۔ ضلع لاہور (پنجاب)

موت ایک اٹل حقیقت ہے ۔ بیمار کی عیادت بہت بڑا ثواب اور مرنے کے بعد اس کی روح کو ایصال ثواب کرنا بہت بڑی نیکی ہے ۔ ایصال ثواب کا مسنون طریقہ کیا ہے ۔ قبر کیسی بنائی جائے ۔ مرنے کے بعد غیر شرعی رسوم کون کون سی ہیں ۔ جن سے پرہیز کرنا لازم ہے ۔ زیارت قبور کا شرعی اور اسلامی طریقہ کیا ہے ۔ غرضیکہ بنیادی باتوں پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری اور ہر گھر کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے ۔ اللہ تعالےٰ مؤلف اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے ۔ آمین ۔ ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے ۔ کتابت وطباعت عمدہ ہے ۔ (ا ۔ ا ۔ خ ۔ س)

نام کتاب :- **"فیشن پرستی اور اس کا علاج"** مؤلف ۔ حسن سعید
سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶ کل صفحات ۲۳۲ قیمت -/۱۵ روپے
ناشر :- کتب خانہ مظہری ۔ گلشن اقبال ۲ کراچی ۔

فیشن پرستی کے مرض نے وبائی صورت اختیار کر کے مسلمانوں کی اسلامی معاشرت کو سخت نقصان پہنچایا ۔ اور وہ سادگی اور بے تکلفی جو اسلام کا جوہر اصلی تھا ۔ اسے شدید نقصان پہنچایا ۔

اس فیشن پرستی کے سیلاب میں معاشرتی اقدار پامال ہوگئیں ۔ دلوں سے شرم وحیا رخصت ہوئی رشتے داریاں ختم ہوئیں اور خاندانی شیرازہ منتشر ہوگیا ۔

اس فیشن پرستی کے سبب بہت سے گھروں کی عزت لٹ گئی ۔ گھر برباد ہوگئے ۔ اور معاشرہ برباد ہوگیا اور اس سیلاب میں شریف بھی بہہ گئے ۔ ایک عرصے سے ضرورت تھی کہ فیشن پرستی کے نقصان دہ اثرات سامنے لائے جائیں اور ساتھ ہی ان کا علاج اور مداوا کرنے کا طریقہ بھی موجود ہو ۔ تاکہ اس مرض میں مبتلا افراد اپنی اصلاح کر سکیں ۔ جناب حسن سعید صاحب لیکچرار انوار العلوم ایوننگ کالج حیدرآباد دکن نگاہ بصیرت کے مالک ہیں انہوں نے گہری نظر سے فیشن پرستی کے پیدا ہونے کے اسباب کا کھوج لگایا ۔ اور پھر اس کا علاج بھی بتایا کہ اس مرض سے نجات حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے ۔ اللہ تعالےٰ اس کتاب کے مؤلف اور ناشر کی محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو بے شمار لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اس کتاب کا مطالعہ ہر فیشن پرست کے لئے ضروری اور نوجوان مسلمانوں کے لئے لازم ہے ۔ تاکہ وہ اس برائی سے محفوظ رہیں ۔ کتابت وطباعت عمدہ کاغذ سفید استعمال کیا گیا ہے چونکہ کتاب اصلاحی مقصد کو سامنے رکھ کر شائع کی گئی ہے اس لئے قیمت بھی مناسب ہے ۔

(ا ۔ ا ۔ خ ۔ س)